مغربی عورتیں

مولفہ جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی اڈیٹر

دلگداز

جسے

...د ظہور احمد ... کتب خانہ

... مسجد دہلی سے شائع کیا

188811

92.67
شش
م
p.9.

UNIVERSAL LIBRARY
OU_188811
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—552—7-7-66—10,000

P. G.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 92.5 [illegible] Accession No. U 7228

Author [illegible]

Title [illegible]

This book should be returned on or before the date last marked below.

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDERABAD-1

مغربی مورخین

Checked 1978

مصنفہ

جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر

اڈیٹر دلگداز لکھنؤ

جسے

حاجی سید ظہور الحسن نے

قومی کتب خانہ جامع مسجد دہلی

سے شایع کیا

قیمت عہ

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کی مشہور تصنیف!

مخدرات

کی چند نامور خواتین کے مکمل حالات

کتاب

مشرق کے چاند

میں

میں عمدہ بلاک کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مولانا شرر مرحوم کی یہ وہ کتاب ہے جو امید سے زیادہ خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

سید ظہور الحسن صاحب

تاجر کتب جامع مسجد دہلی سے طلب فرمائیں!

مولانا شبلی نعمانی کی بیش بہا تصانیف

المامون	الغزالی
الفاروق	مجموعۂ نظم شبلی
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	
الہارون	سفرنامۂ روم و شام

آج ہی ہم سے رعایتی قیمتوں پر طلب فرمائیں۔ تمام کتابوں کا آرڈر آنے پر چار آنہ (۴/) فی روپیہ کمیشن کاٹ دیا جائے گا۔

قومی کتب خانہ جامع مسجد دہلی!

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کی تصانیف
مقالاتِ شرر
صد پارۂ دل
"پردہ"
"ازواج النبی"
گروہِ مشاہیر
اسلامی سوانح عمریاں
طلب فرمائیں
قومی کتب خانہ جامع مسجد دہلی

مغربی حوریں

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD-7

پہلی حسینہ

اولغا ملکۂ روس

روس کی ملکہ کیتھرائن کا نام بہت مشہور ہے جو شہنشاہ پطرس اعظم کی ملکہ تھی اور اس کی بعد وارث تاج و دیہیم ہوئی تھی اور جس کے حالات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔ مگر اس سے بہت سلطنت مذکورہ کے ابتدائی عروج

کے زمانے میں ایک اور ملکہ گزری ہے جس کے کارنامے کیتھرائن کے کارناموں سے زیادہ بڑے ہوئے ہیں اور در اصل اسی کے زمانہ سے سلطنت روس کا ستارہ چمکا اس کا نام دنیا میں مشہور رہوا اور تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ یہ مندرجہ عنوان ملکہ اولغا تھی جو تیسرے بلکہ در اصل دوسرے تاجدار روس اغور کی ناز آفرین بی بی اور ملک کی محبوبۂ عام ملکہ تھی۔

سلطنت روس کے آغاز کی مختصر تاریخ یہ ہے۔ کہ بحر اسود کے شمالی اور یورپ کے مشرقی و شمالی علاقہ میں قدیم الایام اور شہر روسۃ الکبریٰ کی بنیاد پڑنے سے بھی پہلے سلاوی نام ایک قوم رہتی تھی۔ جن کی بت پرستی سب سے جدا اور جن کی زبان یونانی سے ملتی جلتی تھی۔ اس قوم کے بہت سے غول اور گروہ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور بہادری میں شہرت رکھتے تھے۔ ان لوگوں کے گروہوں کا سلسلہ شمالی حصۂ ربع مسکوں میں ترکوں اور مغلوں کے غولوں سے آملا تھا۔ انہیں میں سے ایک گروہ کے سردار سرگروہ رورک نے متعدد سلاوی گروہوں اور قبیلوں کو اپنے ماتحت کرکے ایک چھوٹی سلطنت قائم کی جو کہ سلطنت روس کے نام سے مشہور ہوئی صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس قوم نے اپنی سلطنت کے لئے روس کا نام کیوں اختیار کیا اس کی کئی توجیہیں کی گئی ہیں۔ مگر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں

کے معبودوں میں "روسالکی" نام حسین و نازک اندام پریاں تھیں جو سمندر اور جنگل کی دیویاں مانی جاتی ہیں۔ ان کی نہایت ہی خوبصورت اور دلفریب نیم برہنہ مورتیں بنا کے شوالوں میں رکھی جاتی تھیں۔ اور ان پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں۔ غالباً انہیں کے نام سے اس قوم نے اپنا نام ماخوذ کیا۔

رورک نے قوم کا دشاہ قرار پاتے ہی شہر نوغراو پر قبضہ کر لیا اور اسی کو اپنا مرکز فرمانروائی قرار دیا۔ سنہ ۸۶۲ء میں اس نئی سلطنت کی بنیاد پڑی تھی اور اس کے سترہ برس بعد سنہ ۸۷۹ء میں پہلے فرمانروا رورک نے سفر آخرت کیا۔ جبکہ بغداد کے سریر خلافت پر معتمد علی اللہ پندرہوں خلیفہ عباسی جلوہ افروز تھا اور یونانی قلمرو روم پر لیو دی سیج (لیو راہب) کی حکومت تھی۔

رورک کے مرنے کے وقت چونکہ اس کا بیٹا اغور نابالغ بچہ تھا اس لئے اس کے ایک زبردست سردار اولغ نے اغور کو تخت پر بٹھا کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اولغ نے ایسے زور و شور سے حکومت کی اور رعایا اور نیز شاہی خاندان کو اس پر ایسا بھروسہ تھا کہ ۳۳ سال تک حکومت کرتا رہا اور اغور نے بالغ ہونے پر بھی کسی قسم کی مخالفت یا سلطنت کی ہوس نہیں ظاہر کی یہاں تک کہ جب سنہ ۹۱۲ء میں وہ مرا تو

اصلی تاجدار اغوز نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔
اسی اغوز کی بی بی ملکہ اولقا تھی۔ جو شہر سکوف کے قریب کسی گمنام گاؤں میں پیدا ہوئی تھی اور غریب و فلاک زدہ ماں باپ کے آغوش میں فلاکت و مسکنت کے ساتھ پلی تھی۔ مگر حسن و جمال اس بلا کا تھا کہ اونچے اونچے امیروں کی نظر پڑتی تھی جو دیکھتا تیر نظر گھائل ہو جاتا۔ یہاں تک کہ اس کی چشم فتان اور زلف پیچاں نے قوم کے سرتاج بادشاہ اغوز کو اپنا اسیر گیسو بنا لیا چنانچہ اغوز نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے سے دس برس پہلے ۹۰۳ء میں اس کے ساتھ شادی کر کے اسے اپنی ملکہ اور اپنا شریک سلطنت بنا لیا۔

اغوز اچھا بادشاہ نہ تھا۔ بے انتہا بخیل تھا۔ اور دولت کی ہوس اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ قوم اور رعایا میں ہر دلعزیز نہ رہ سکتا تھا مگر اولغا کے اچھے اخلاق اس کی نیک نفسی و فیاضی اس کی محبت بھری باتوں اور رعایا کے حال پر اس کی عنایتوں نے بی بی کی وجہ سے شوہر کو بھی بہت کچھ نیک نام کر دیا۔ اور جب اس نے عنان فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ تو اولغا کی ذہانت و زکاوت اور انتظامی قابلیت کے جوہر کھلنا شروع ہوئے اور ساری قوم کی محبوبہ بن گئی۔

اغوز نے ایک سرکش قوم "ڈریولیاں" پر فوج کشی کر کے

اسے مطیع فرمان اور باج گزار بنایا۔ اس کو چند ہی روز گزرے
تھے کہ پھر اسی قوم پر چڑھائی کی اور پہلے سے دونا خراج طلب
کیا۔ جسے ان لوگوں نے جبرًا و قہرًا ادا کیا دولت سے لدا پھندا غانم
وسالم شہر کیف میں آکے ٹھہرا۔ اور دل میں خیال کیا کہ میں نے
ان لوگوں سے ابھی کم رقم وصول کی ہے۔ اور لینا چاہیئے پھر ان
کمزور غریبوں پر چڑھ گیا۔ اور جتنا پہلا وصول کیا تھا زبردستیاں
کرکے دوبارہ وصول کیا جب یہ رقم بھی ادا ہو گئی تو دلیں کہا الہی
ان کے پاس بہت کچھ باقی ہے مجھے اور کچھ لینا چاہیئے،، اور کہلا بھیجا
کہ" یہ کافی نہیں ہے اتنی ہی رقم اور دو" ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا
کہ ان لوگوں میں بظاہر تو انکار کی مجال نہ تھی مگر دل میں
دشمن ہوگئے اور ڈھونڈھنے لگے کہ کب اور کس طرح اس کے مظالم
سے اپنی جان چھڑائیں آخر انہیں موقع مل ہی گیا ایک بار اغور
اپنی فوج سے جدا چند خاص رفیقوں کے ساتھ تھا کہ ڈریولیاں
لوگ ناگہاں آپڑے اس کے چند رفقا کو چن چن کے مار ڈالا اور
خود اسے پکڑ کے ایسی بری طرح سے مارا کہ اس کے قتل کا واقعہ
عبرت روزگار رہے دو درختوں کے جو قریب قریب تھے دو ٹہنے
کھینچ کھینچ کے قریب کئے پھر ایک میں اس کا ایک ہاتھ اور ایک
پاؤں۔ اور دوسرے میں دوسرا ہاتھ اور پاؤں مضبوط باندھ
کے ان ٹہنوں کو چھوڑا تو وہ اپنی اپنی طرف کھینچے اور اس کے

کے بیچ سے پھٹ کے دو ٹکڑے ہوئے جو الگ الگ دونوں درختوں میں جا لٹکے اس طرح جان لے کے اس کے جسم کے دو ٹکڑے زمین میں گاڑ دیئے اور ان پر قبر کی حیثیت سے ایک تودہ بنا دیا۔

یوں ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۴۵ء میں اغور کی زندگی کا چراغ گل ہوا۔ اس کا بیٹا چونکہ نابالغ تھا اس لئے ملکہ اولغا نے شوہر کا ماتم کرنے کے بعد سریہ شہریاری پر قدم رکھا۔ جبکہ بغداد میں ۳۴ عباسی خلیفہ المطیع اللہ کی اور قسطنطنیہ میں قسطنطین پورفیروجنیطوس الملقب بہ سورخ کی حکومت تھی اولغا چونکہ بڑی ذہین و دانا اور نیک نفس و نیک کردار عورت تھی اس نے بڑی قابلیت اور شائستگی سے حکومت شروع کی۔ لیکن دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور بے قرار تھی کہ اپنے آنجہانی شوہر کے خون کا بدلہ کیونکر لوں اسی ادھیڑ بُن میں لگی تھی کہ ڈریولیان لوگوں کے سردار کی طرف سے بیس منتخب معزز سفیروں کا ایک ڈیپوٹیشن آیا اور اسے شادی کا پیام دیا۔

اغور کو قتل کر کے ڈریولیاں لوگوں کا حوصلہ بڑھ گیا تھا چاہتے تھے کہ پوری قلمرو روس کے مالک بن جائیں جس کی مناسب ترین تدبیر ان کے سردار کے ذہن میں یہ آئی کہ میں

ملکہ، اولغا سے شادی کروں اگرچہ اولغا کی عمر اب زیادہ ہو چکی تھی وہ دلیری و نازہ آفرینی کا زمانہ گذر گیا تھا۔ تاہم گزشتہ حسن کی چند کرنیں اب بھی اُس کے خوبصورت چہرے سے نمودار تھیں۔ جنہوں نے سلطنت کی ہوس میں مل کے ڈریولیاں لوگوں کے سردار کو از خود رفتہ کر دیا۔ اور وہ اپنی حالت و حیثیت کو بالکل بھول گیا۔

اس سفارت پر ملکہ اولغا بہت برہم ہوئی مگر چونکہ عقلمند اور انجام پر خوب نظر رکھتی تھی اپنے غیظ و غضب کو دل ہی میں دبایا۔ اور ان سے کہا "تمہارا پیام میں خوشی سے قبول کروں گی مجھے تو خود ہی اس کی تمنا تھی۔ مگر جس کشتی میں آئے ہو اسی میں جا کے ٹھہرو۔ میں اپنے امراء و زراء سے مشورہ کر لوں۔ اور اس کے بعد انہیں کل صبح کو تمہارے پاس بھیجوں گی کہ تمہیں قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم سے میرے قصر میں لائیں۔ اور میں باضابطہ طور پر تمہاری درخواست کو قبول کروں مگر اتنا خیال رہے کہ تم سوا ان کے کندھوں پر سوار ہو کے آنے کے اور کسی طرح اور ..... کسی اور سواری پر نہ آنا۔ تاکہ تمہارا خوب رعب ان پر بیٹھ جائے"۔ اس جواب سے نہایت محفوظ ہو کے وہ لوگ اپنی کشتی میں واپس گئے۔

صبح کو انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کہ امرائے روس ان کے استقبال کو پہونچے اور کہا "بسم اللہ تشریف لے چلئے حضور ملکہ نے یاد فرمایا ہے۔ ان مسخروں نے کہا۔ "مگر ہم نہ گھوڑوں پر سوار ہوں گے اور نہ کسی اور سواری پر ہم تو خود تمہارے کندھوں پر بیٹھ کے چلیں گے" روسی امیروں نے کہا اب آپ کو اس میں اصرار ہے تو ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے ہمیں تو آپ کی خاطر داشت اور اپنی ملکہ کے حکم کو پورا کرنا ہے" یہ کہہ کے سہوں نے پیٹھیں جھکا دیں اور کہا "آئیے بیٹھئے" یہ بیسوں آدمی ان کے شانوں پر سوار ہوئے اور انہیں قصر شاہی کی طرف لے چلے لیکن قصر کے پاس پہونچ کے بجائے اس کے کہ پھاٹک کے اندر داخل ہوں انہیں محل کے پچھواڑے لے گئے اور وہاں ایک غار میں جو اسی غرض کے لئے رات ہی کو ملکہ کے حکم سے کھود رکھا گیا تھا۔ پھینک دیا۔ پھر اوپر سے مٹی ڈال کے انہیں زندہ دفن کر دیا۔

اب ملکہ اولغا کو ان لوگوں سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا ان سفیروں کا کام تمام کرتے ہی ڈریولیاں لوگوں کے پاس اپنے چند ہوشیار افسر بھیجے جنہوں نے ان لوگوں کے سردار سے کہا "ہماری ملکہ کو آپ سے شادی کرنا خوشی سے منظور ہے آپ کے سفیر جو گئے ہیں قدر و منزلت

سے وہاں مہمان رکھے گئے ہیں۔ اور ملکۂ محترمہ چاہتی ہیں کہ آپ اپنے تمام معزز سرداروں کو بھیجئے تاکہ وہ انہیں دھوم دھام اور تزک و احتشام سے یہاں لے آئیں۔ کیونکہ بغیر کرّوفر اور اعلیٰ درجے کے جلوس کے وہ اپنے شہر سے باہر قدم نہیں نکال سکتیں۔" ڈریولیاں لوگوں کا سردار تو ہوس ملک گیری اور اولغا کے عشق میں ازخود رفتہ ہو ہی رہا تھا۔ فوراً اپنے کل معزز سرداران فوج کو حکم دے دیا کہ جاؤ ملکۂ اولغا کو نہایت ہی قدر ومنزلت اور شاہانہ شان وشوکت سے لے آؤ۔ یہ لوگ ان روسی سفیروں کے ساتھ نوعزاد میں پہونچے جہاں ان کا بہت کچھ استقبال کیا گیا۔ اور اس کے بعد وہ حمام میں بھیجے گئے تاکہ غسل کر کے ملکۂ اولغا کی خدمت میں باریاب ہوں۔ جیسے ہی حمام میں داخل ہوئے اس کے دروازے باہر سے بند کر دیئے گئے۔ اور آگ تیز کر دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی لمحوں میں سب کے سب حمام کے اندر گھٹ گھٹ کے مر گئے۔

یوں بڑی سہولت کے ساتھ ان لوگوں کو نذر اجل کر کے اولغا نے خود روانہ ہونے کی تیاریاں کر دیں اور ایک قاصد کو آگے بھیجا جس نے تیزی کے ساتھ جا کے ڈریولیان کے سردار کو مژدہ سنایا کہ "ملکۂ اولغا روانہ ہو چکیں۔ آج ہی کل میں پہنچا چاہتی ہیں وہ پہلے اپنے شوہر کی قبر پر ماتم و نوحہ

خوانی کریں گی۔ پھر آپ سب صاحبوں کو ایک دعوت دیں گی جس کے بعد شادی کے رسوم عمل میں آئیں گے۔"

یہ خوشخبری سنتے ہی سردار ڈریولیان کی یہ حالت ہوئی کہ جامے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ساری قوم کولے کے استقبال کے لئے شہر کے باہر آیا۔ بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ ملکہ اولغا سے ملا۔ لیکن خلاف توقع اس کے ہمراہ اپنے ایک سردار کو بھی نہ دیکھ کے پوچھا "میرے وہ سردار کہاں ہیں؟" جواب ملا کہ وہ پورے لشکر روس کے ساتھ پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔" اس جواب پر وہ مطمئن ہو گیا اور اولغا نے اپنی قرارداد کے مطابق اپنے پہلے شوہر اعور کی قبر پر نوحہ خوانی کی۔ ماتم کیا جی بھر کے روئی اور قیام گاہ میں آکر دعوت کا سامان کیا یہ دعوت نہایت ہی پر تکلف اور شاندار تھی تمام ڈریولیان لوگ۔ حسب مرتبہ قدر و منزلت سے بٹھائے گئے۔ دسترخوان چنا گیا۔ سب نے لذیذ غذائیں تناول کیں۔ سیر ہو کے کھایا اور شراب کے دور چلنے شروع ہوئے عمدہ قیمتی اور تیز شرابیں مہیا کی گئیں تھیں جن کے زیادہ تیز کرنے کے لئے کیا عجب کہ ان میں اور بھی مختلف اجزا ملا دئے گئے ہوں کیونکہ وہی جام میں جتنے تھے مدہوش و از خود رفتہ تھے اور شور مچا

ہوا تھا کہ ؎

دَور چلے دور چلے ساقیا ۔۔ اور چلے اور چلے ساقیا

عین اسی حالت میں کہ کسی کو سر و پا کا ہوش نہ تھا۔ اور ملکۂ اولغا لوگوں کی از خود رفتگیوں کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ ناگہاں روسی سپاہی نیزے اور تلواریں لئے ہوئے ان لوگوں پر جھک پڑے۔ ڈریولیاں لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ بھاگنا چاہتے تھے مگر بھاگنے کے قدم نہ تھے۔ اٹھ کے کرتے تھے اور قتل ہوتے تھے جن چند لوگوں کا نشہ ہرن ہو گیا تھا وہ اپنے سردار کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے باقی پانچ ہزار آدمی اسی جگہ کاٹ کے ڈال دیئے گئے۔

اس طریقے سے اولغا نے ڈریولیاں لوگوں کی قوت بالکل توڑ دی اور انہیں حیران و پریشان اور ترسان و لرزاں چھوڑ کے اپنے شہر میں واپس آئی۔ ایک برس گزر گیا۔ اور ڈریولیاں لوگوں کو سوا خاموش پڑے رہنے کے سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اولغا کے سینے میں ابھی تک انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی دوسرے برس اپنے ننھے بچے کو ساتھ لے کے سیاہ روس کی سپہ سالاری کرتی ہوئی۔ اولغا ڈریولیاں پر چڑھ آئی ڈریولیان کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی اپنے قلعہ میں جا کے بیٹھ رہے۔ اور پھاٹک بند کر لئے۔ ملکۂ اولغا نے اولغا نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور بڑی بہادری سے اپنے لشکر کو لڑائی اور قلعے پر دھاوے اور حملے کرتی رہی۔ مگر قلعہ

نہایت ہی مضبوط تھا۔ ہزار کوشش کی کچھ بھی زور نہ چل سکا اور ڈریولیاں قسم کھا گئے تھے۔ کہ چاہے بھوکے پیاسے مرجائیں مگر قلعے کا دروازہ نہ کھولیں گے۔ خلاصہ یہ کہ محاصرے کو ایک مدت گزر گئی اور فوج روس کے بنائے کچھ نہ بنی۔

اب ملکۂ اولغانئی تدبیروں میں مصروف ہوئی جو عورتوں ہی کے لئے خاص ہیں اور جن سے اکثر عورتوں نے بڑے بڑوں پر فتح پائی۔ اس نے قلعے والوں کے پاس ایک سفیر کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ "کیا ارادہ ہے اب کیا تم نے دل میں یہی ٹھان لی ہے۔ کہ قلعے میں پڑے سڑا کرو؟ اور فاقے کر کرکے مرجاؤ۔ مانا کہ تمہارا قلعہ مضبوط ہے۔ مگر رسد کا کیا انتظام کروگے؟ اور یہ بھی سہی۔ مگر کب تک۔ میں نے بھی قسم کھالی ہے۔ کہ بے فتح کئے نہ جاؤں گی۔ ہاں اگر تم صلح پر آمادہ ہو تو میں نہایت ہی آسان شرطوں پر تمہارا قصور معاف کرنے کو تیار ہوں اور ایسا خراج قبول کرلوں گی جو محض برائے نام ہوگا۔ اور جس کا تم پر بار نہ پڑیگا۔ فقط اتنا چاہتی ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر سے تین کبوتر اور تین گرگرّیاں (خانگی چڑیاں) پکڑ کے میرے پاس بھیجدے۔ جن سے تمہاری اطاعت کا اظہار ہو جائے گا۔ اور میں اس معمولی اور بے آزار خراج کو لے کر چلی جاؤں گی"۔ ڈریولیاں لوگوں کے سرداروں نے یہ پیام سن کے کہا "یہ کونسی مشکل بات ہے؟ اگر ملکہ ایسی نہایت

آسان شرط پر صلح کرنے کو آمادہ ہیں تو ہم خوشی سے ان کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ اور عنقریب ہر گھر سے کبوتر اور چڑیاں پکڑوا کے نذر کر دیں گے دو ہی تین دن کے اندر کبوتر اور چڑیاں ملکہ اولغا کے ملاحظے میں پیش کر دی گئیں۔

ملکہ نے اس عجیب و غریب خراج کے وصول ہوتے ہی حکم دیا کہ جتنے کبوتر اور چڑیاں ہیں اتنے ہی گچھے اور گیند تیار کر کے تیل میں ڈبو دئے جائیں اور پھر ان کبوتروں اور چڑیوں کی دموں میں تاروں وغیرہ کے ذریعے سے باندھ دئے جائیں سپاہیوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اور سر شام ہی وہ گچھے اور گیند مشعلوں کی طرح روشن کر دیے گئے اور ملکہ کے حکم سے وہ تمام کبوتر اور چڑیاں چھوڑ دی گئیں۔ جن کے اوڑتے ہی آسمان پر ایک عجیب قسم کی آتشبازی کا تماشا نظر آیا۔ اور معلوم ہوا کہ لشکر روس سے ہزارہا ہوائیاں چھوٹ رہی ہیں اور آسمان پر آگ سی لگی ہوئی ہے جس تماشے کے دیکھنے کے لئے یہ ڈریولیاں لوگ اپنے کوٹھوں اور قلعے کے برجوں پر چڑھ آئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب وہ کبوتر اور چڑیاں اپنے گھروں اور آشیانوں تلاش میں قلعے کیطرف آنے اور اترنے لگیں تو جہاں بیٹھیں اور جس گھر میں آئیں اس میں آگ لگا دی۔ ڈریولیان مبہوت و بحواس کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ قلعے کے ہر کونے اور آبادی کے ہر گھر

سے شعلے بلند ہونے لگے۔ عورتیں اور بچے بلبلا بلبلا کے گھروں سے باہر نکل آئے۔ اور آخر آگ یہاں تک بڑھی کہ قلعہ کے اندر کسی کو پناہ نہ مل سکتی تھی۔ اور سوا جلکے مرجانے کے کوئی مصرنہ تھا گھبرا گئے قلعے کے پھاٹک کھول کے باہر نکلے اور اُدھر اُدھر بھاگنے لگے یہ دیکھ کے ملکہ اولغا نے فوراً حملہ کردیا۔ روسی سپاہی ہر طرف سے ان پہ ٹوٹ پڑے۔ جو جدھر جاتا مارا جاتا تھا۔ اسطرح ہزارہا ڈریولیان لوگ مارے گئے اور ان کی پوری قوم تباہ و برباد ہوگئی۔ اولغا نے ان کا خوب اچھی طرح قلع قمع کرنے کے بعد جب دیکھا کہ اب قلعہ میں جو کچھ تھا جل چکا اس تباہ شدہ قلعہ کو اپنے قبضہ میں کیا اور اس سرکش گروہ میں ذرا بھی قوت نہیں باقی رکھی سر اُٹھا سکے۔

اس کے بعد وہ غانم وسالم شہر کیف میں ہوتی اپنے شہر نوغراد میں پہونچی اور سپاہیوں کو انعام واکرام تقسیم کیا۔ اولغا نے ان لوگوں سے اگرچہ نہایت ہی بیرحمی سفاکی اور مکاری کے ساتھ انتقام لیا مگر اس کے بعد پھر کسی امر میں اس سے کسی قسم کی سنگدلی اور بیرحمی نہیں ظاہر ہوئی دارالسلطنت میں واپس آنے کے بعد اس نے بڑی عقلمندی اور عدالت گستری سے حکومت کی اور تمام رعایا کے دل اپنے ہاتھ میں لے لئے۔

اب اس کی زندگی کا دوسرا رخ نمودار ہوا۔ کیونکہ وہ بہادر

اور مدبر ہونے کے علاوہ دین کی بڑی پابند اور نہایت ہی عابد وزاہد بھی تھی۔ دین عیسوی سارے یورپ میں پھیل چکا تھا اپنی بت پرستی کو ملکہ اولغا اپنی قوم کی قدیم جہالت و بے عقلی کا نتیجہ خیال کرتی تھی۔ اور قوم روس محسوس کر رہی تھی کہ متمدن بننے کے بعد اُسے کسی اعلیٰ درجہ کے متمدن مذہب کے اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاہم ابھی اس کو تھوڑا زمانہ باقی تھا کہ قوم روس مذہب عیسوی کو اختیار کرے۔ مگر ملکہ اولغا کو اپنی قدیم بت پرستی کے عیوب نظر آگئے تھے اور ملت مسیحیہ کے قبول کرنے کے لئے بیتاب تھی۔ مگر اس کے خیال میں یہ مناسب نہ تھا کہ میں جو قوم کی حکمران اور فرمانروا ہوں پرانے مذہب کو چھوڑ دوں۔ اور قوم اپنی قدیم حالت پر برقرار رہے اس لئے ۹۵۵ء میں جب سلطنت کو اس نے خوب مضبوط اور دشمنوں اور خطروں سے صاف کر دیا تھا۔ عنان حکومت اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دیدی اور خود تخت شاہی سے اتر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئی۔ اب اس کا بیٹا تو اپنے قومی مذہب کا پابند رہا مگر وہ خود آمادہ ہوئی کہ دین مسیحی اختیار کر کے باقی زندگی ریاضت ونفس کشی میں صرف کرے۔ چنانچہ سلطنت کو بیٹے کے سپرد کرتے ہی اس نے قسطنطنیہ کا سفر کیا جو کہ ان دنوں مسیحی فرقوں میں سے کلیسائے یونان والو نکا مرکز تھا۔ وہاں کے کنیسۂ سلینٹ صوفیا

کی عظمت و شوکت زوروں پر تھی۔ اور اسی شان و شوکت نے اولغا کو اس مذہب کا گردیدہ بنا دیا تھا۔ یہاں کے مقتدائے اعظم (پیٹریارک) نے اسے بپتسما دے کے اس کا مسیحی نام "ہلین" قرار دیا اور اسے نہایت ہی عزت کے ساتھ تاجدار روم پور فیروجنی طوس المقلب بہ مورخ کے دربار میں پیش کیا۔

قسطنطنیہ سے واپس جا کے وہ گوشۂ عزلت میں بیٹھ گئی۔ اور عبادت و ریاضت میں اسقدر مصروف ہوئی کہ عیسائیوں نے اسے سینٹ (ولیہ) کا لقب دیا اس زمانہ میں اس نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ اپنے بیٹے قرما تروائے روس کو دین عیسوی کا پیرو بنائے۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور بیٹے نے اپنے قدیم مذہب سے دست بردار ہونا نہیں گوارا کیا۔

آخر اسی عبادت و ریاضت اور رہبانیت و نفس کشی میں اس نے ۹۶۸ء میں دنیا کو رخصت کیا۔ اور مسیحیوں کے اصول کے مطابق دفن ہوئی۔

دوسری حسینہ

کیتھرائن ملکۂ روس اوّل

مملکت روس میں اس نام کی دو ملکہ گزری ہیں۔ مگر حسن کی کرشمہ سازیوں کا سب سے زیادہ مکمل نمونہ پہلی کیتھرائن ہے۔ جسکے دلچسپ حالات لکھنے کے لئے ہمنے قلم اٹھایا ہے۔

جن لوگوں نے نورجہاں بیگم کے حالات پڑھے ہیں وہ تعجب کرتے ہیں کہ کس غربت و مصیبت اور فلاکت و مسکنت کی حالت میں پیدا ہوئی اور محض اپنے حسن و جمال کی قوت سے کس اعلیٰ عروج اور کس شان و شوکت اور عظمت و جبروت کے درجہ کو پہونچگئی۔ لیکن مقابلہ کرکے دیکھئے تو کیتھرائن کے حالات نورجہاں سے زیادہ حیرت انگیز نظر آتے ہیں۔ جو گمنامی میں

پیدا ہوئی۔ ایک معمولی سپاہی کے ساتھ نکاح ہوا لونڈیوں کی طرح گرفتار کرکے اپنے وطن سے لائی گئی۔ اور آخر اپنی خوشحالی کی قوت سے پیٹر اعظم شہنشاہ روس کی ملکہ ہی نہیں بلکہ اس کے جان و مال کی مالک ہو گئی ان دونوں مشرقی و مغربی شہنشاہ بیگموں میں یہ فرق بھی نظر آتا ہے کہ نور جہاں بیگم باوجود اعلیٰ اقتدارات اور اپنے نام کا سکہ تک جاری کرا دینے کے نہایت ہی پاکدامن و عصمت شعار تھی اور ہر حال میں اس کا دامن بے عصمتی کے دھبوں سے پاک رہا بخلاف اس کے کتھرائن اپنے دامن کو بدکاری و بے عصمتی کی نجاست سے نہ بچا سکی بلکہ عروج کا آغاز ہی بدکاری سے ہوا یورپ کے انتہائی شمال میں اور قطب شمالی سے قریب ایک جزیرہ نما ہے جو ممالک سوئیڈھن اور ناروے پر حاوی ہے یہ جزیرہ نما نقشہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ گویا برعظم کے درخت سے بید مجنوں کی سی ایک شاخ لٹک کے بائیں طرف جھک پڑی ہے اسی سرزمین میں ایک چھوٹا صوبہ لیودنیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو سویڈن کی قلمرو میں شامل ہے سلطنت سویڈن کی فوج کا ایک ادنیٰ درجہ کا افسر "جان راب" نامی لیودنیا میں رہتا تھا جسکے گھر میں آج سے دو صدی پیشتر ۱۶۸۲ء میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جو اس وقت عزیزوں اور ہم وطنوں کو نہایت ہی منحوس و سبز قدم نظر آئی۔ ہنوز زمان کے

پیٹ ہی میں تھی کہ باپ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ غریب ماں نہایت ہی افلاس و فلاکت کی حالت میں تھی نہ کوئی خبر گیراں تھا اور نہ کوئی پرسانِ حال۔ تاہم فقر و فاقہ کے ساتھ بسر کر کے تین سال تک دودھ پلایا۔ مگر بمشکل رضاعت کی مدت بھی پوری کرنے نہ پائی تھی کہ مصائب زمانہ کو نہ برداشت کر سکی اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر گئی۔

اب اس تین برس کی ننھی سی جان کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ گاؤں کے ایک اور شخص کو ترس آ گیا۔ اپنے گھر لے گیا۔ اور چند سال رکھ کے پالا۔ اس کے چند روز اپنے ایک پراٹسٹنٹ پادری نے اُسے شہر "مرین مرگ" میں لیجا کے رکھا اور اپنے لڑکوں کی خدمت پر مامور کیا اب لڑکی ذرا ہوشیار ہو چکی تھی پادری صاحب کے لڑکوں کی خدمت بڑی سرگرمی اور شوق سے بجالاتی اور جہاں تک بنتا انہیں آرام پہونچاتی۔ پادری صاحب کے لڑکے تعلیم پاتے تھے یہ لڑکی پاس بیٹھ کے ان کو سبق یاد کرنے کا شوق دلاتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان سے سیکھ سیکھ کے خود بھی لکھتی پڑھتی۔ اور علم و فضل میں ترقی کرتی یہ لڑکی جیسی حسینہ و جمیلہ تھی ویسی ہی ذہین و طباع۔ پادری صاحب کے لڑکوں نے تو خیر کچھ نہ کچھ ترقی کی ہی ہو گی۔ مگر اس نوخیز اور ذہین لڑکی نے چپکے چپکے ہی لکھ پڑھ کے علم و فضل میں جو مرتبہ حاصل کر لیا

بہت غیر معمولی تھا۔

اب اس حسین و پری جمال دوشیزہ کا عہد شباب تھا جوانی کی اداؤں نے حسن کی آب وتاب کو چمکا دیا اور شباب نے اس کی نظر فتان کے تیروں پلکوں کے خنجروں اور ابرؤں کی تلوارں پر باڑہ رکھدی سویڈن کے کسی سپاہی کی اس پر نظر پڑی۔ اور نظر پڑتے ہی گھائل ہو گیا اگرچہ اس کے حسن کا آفتاب حسینان عالم کے چراغ گل کئے دیتا تھا۔ مگر غربت و فلاکت کے باعث خود اُسے اپنی اور اپنے اس زاہد فریب حسن کی قدر نہ تھی اسی پہلے قدردان حسن کے ساتھ نسبت ٹھہر گئی اور سنہ ۱۷۰۲ء میں نکاح ہو گیا۔

شادی کو مشکل سے پورا سال گذرا ہو گا کہ سلطنت روس نے سویڈن پر چڑھائی کر کے شہر "مرین مرگ" پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر بھی یہی نظر آیا کہ مصیبت اور بری قسمت نے ابھی تک اس غریب لڑکی کا ساتھ نہیں چھوڑا کیونکہ اس کا شوہر وطن کی حمایت میں مارا گیا اور روسی جنرل باور زبردستی پکڑ کے اسے اپنے ساتھ روس میں لے آیا۔

یہی حسین لڑکی کیتھرائن تھی جو ایسی تباہیوں اور بدقسمتیوں کے ساتھ گرفتار ہو کے ملک روس میں آئی ہے۔ لیکن اس کے یہاں آنے کی شان اگرچہ نہایت ہی بیچارگی و بے حرمتی اور

بے کسی و بے بسی کی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ نحوست و بدقسمتی کو وہ اپنے وطن ہی میں چھوڑتی آئی کیونکہ اسی وقت سے نصیبہ نے یاوری شروع کی اور اب اُسے پستی سے بلندی اور ذلت سے عزت کی طرف عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ اس گرفتاری و اسیری سے پیشتر اس کی زندگی ایسی گمنامی کی حالت میں گزری تھی کہ اسوقت کے جو کچھ حالات ابھی بیان کئے گئے ہیں افسانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ مختلف راوی مختلف حالات بیان کرتے ہیں اور اس زمانہ کے مورخوں کو ان کا بہت کم اعتبار ہے۔ تاہم جو کچھ واقعات ہم نے بیان کئے ہیں۔ یہی سب میں زیادہ معتبر تصور کئے جاتے ہیں۔

الغرض جنرل باور نے کیتھرائن کو لاکے اپنے گھر میں رکھا چونکہ جنرل باور سے اور اس عہد کے روسی رئیس اعظم لارڈ مسیحی لوف سے دوستانہ تعلقات تھے لہذا کیتھرائن کی رسائی لیڈی مسیحی کوف کے گھر میں ہوئی یہ معزز خاتون ستم زدہ کیتھرائن کے حال پر مہربانی کرتی تھی اور اسے اپنے اوپر مہربان دیکھ کے کیتھرائن کبھی کبھی اس کے وہاں چلی جاتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن اس پر لارڈ مسیحی کوف کی نظر پڑ گئی اور پہلی ہی نظر میں یہ عالم ہوا کہ ع

صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

مگر یہ لارڈ صاحب ابھی اپنی آرزوئیں دل ہی دل میں چھپائے

728

ہوئے تھے کہ ایک دن ان کے گھر میں شہنشاہ پیٹرس اعظم آیا اس نے جو کیتھرائن کی بانکی چتون دیکھیں تو بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا۔ پاس بلا کے کچھ پوچھا گچھا۔ جواب میں اس کی میٹھی میٹھی باتوں اور سریلی آواز نے اور زیادہ سحر آفرینی کی اور شہنشاہ زخمی دل کے ساتھ اپنے ایوان شہریاری میں گیا۔ مگر دل کی یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی صورت ہر وقت نظر کے سامنے پھرتی رہتی۔ آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے شہنشاہ پیٹرس نے کیتھرائن سے راہ و رسم پیدا کیا۔ تعلقات بڑھائے۔ اور اب یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی شوخ نگاہیں اور چلبلی ادائیں روز بروز زیادہ اثر کرتی جاتی تھیں۔

پیٹرس اعظم چند ہی روز پہلے اپنی پہلی بی بی کو اختلاف مذاق اور باہمی نااتفاقی کی وجہ سے طلاق دے چکا تھا اور اس کا دل پیشتر ہی سے کسی ایسی حسینہ کو ڈھونڈھ رہا تھا جسے ہمدم و ہمراز بنا کے اپنے درد و دکھ میں شریک کرے لیکن ایک ایسی ادنیٰ درجہ کی مجہول الحال عورت کو یک بیک اپنا شریک سلطنت بنانے کی جرات نہ ہو سکی۔ خفیہ طور پر کیتھرائن سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے۔ کیتھرائن نے شہنشاہ کا دل اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد روز بروز ایسی جان ستان اداؤں اور دلربائی کے ناز و انداز سے کام لیا کہ چند ہی روز میں بادشاہ

اُس کا درم ناخریدہ آخر پیٹرس کو اس میں بھی چین نہ پڑا کہ اپنے دل کی مالک معشوقہ سے مخفی تعلقات رکھے اور ظاہر میں نہ مل سکے پوشیدہ طور پر روسی گرجہ میں لیجا کے اور پادریوں سے ساز کر کے اس کے ساتھ بالکل مخفی طور پر نکاح پڑھوالیا اور کیتھرائن الکزنیا،، اس کا لقب قرار دیا۔ حفیہ طور پر تمام امرا میں اس نکاح کی بابت سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ جن کا اثر یہ تھا کہ مخالفت کا ہنگامہ ویسے ہی دبے سرد پڑ گیا۔ اور سب لوگ اس خبر سے مانوس ہو گئے۔ کہ شہنشاہ کی بیوی ایک ادنیٰ درجہ کی مجہول الحال عورت ہے۔ لیکن شہنشاہ کے دل کو ابھی تک چین نہ تھا وہ اس بات کو بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ میں تخت سلطنت پر بیٹھ کے دربار کروں اور میرے پہلو میں شہنشاہ بیگم کی حیثیت سے کیتھرائن نہ بیٹھی ہو۔ آخر جب کسیطرح صبر نہ آیا تو سنہ ۱۷۱۱ء میں اپنے اس نکاح کا اعلان کر دیا۔ اس وقت کیتھرائن کی عمر پورے ۳۰ سال کی تھی جب کہ وہ نہ ایک الھڑ عروس چار دہ سالہ تھی اور نہ ایسی سن رسیدہ کہ حسن سن رسیدہ کہ حسن وجمال کا انحطاط شروع ہو گیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں وہ ایک ایسی معشوقہ شیرین ادا تھی جو دلربائی دو لبری کے فن میں پورا کمال رکھتی ہو۔ اب کیا تھا۔ جلوت و خلوت میں ہر جگہ کیتھرائن شہنشاہ کے ہمراہ تھی تمام مہمات سلطنت میں مشورہ دیتی تھی اور

ملک پر جیسی حکومت کیتھرائن کر رہی تھی خود پٹرس بھی نہ کر سکتا تھا
اظہار نکاح کی محرک یہ بات ہوئی کہ ۱۷۱۱ء میں دولت عثمانیہ اور سلطنت روس میں لڑائی چھڑ گئی۔ فوج کشی کی ضرورت سے پٹرس کو میدان جنگ میں جانا ضروری تھا مگر پیاری کیتھرائن کو چھوڑ کے جانا اس کے امکان سے باہر تھا۔ کیونکہ بغیر اس کے ایک دم کے لئے بھی چین نہ آسکتا اور بہت کچھ غور و فکر کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ کیتھرائن کے فراق کو میں کسیطرح برداشت نہ کر سکوں گا اپنے تعلقات آشکارا کر دے اور بے تکلف نکاح کا اعلان کر دیا گیا امرائے ملک کو اسوقت اپنے ملک اور اپنی آزادی بچانے کی فکر میں تھیں کسی نے اس نکاح کو سن کے جسکی سُن گن پہلے ہی پا چکے تھے ناراضی نہیں ظاہر کی اور پٹرس اعظم کیتھرائن کو ایک عالی مرتبہ شہنشاہ بیگم کی شاہ سے ہمراہ لے کے جوش و خروش کے ساتھ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔

اس سفر نے کیتھرائن کو پٹرس کی نظر میں زیادہ عزیز بنا دیا اپنے طرز عمل سے اس نے جواب اچھی طرح ثابت کر دیا کہ وہ فقط ایک ناز آفرین دمہ جبین معشوقہ نہیں بلکہ ایک انیس و ہمدرد بی بی۔ بلند حوصلہ و اولوالعزم ملکہ اور صاحب الرائے مشیر و مدبّر بھی ہے وہ ہر معاملہ میں شہنشاہ کو اچھی اور صائب رائے سے مشورہ دیتی تھی افکارہ آلام میں اس کی دلداری کرتی

بیماری میں اعلیٰ درجہ کی تیماردار بن جاتی۔ میدان جنگ میں اس کے گھوڑے سے گھوڑا ملائے رہتی اور خطروں میں کبھی اُس کے پاس سے جدا نہ ہوتی۔ یہی نہیں نیکی اور بھلائی کے کاموں پر بادشاہ کو آمادہ کرکے اُس سے ایسے کام کراتی۔ کہ فوج اور رعایا کے دلوں پر اس کی محبت کا نقش روز بروز زیادہ گہرا پڑتا جاتا سپاہیوں کے ساتھ وہ نہایت ہی لطف و محبت سے پیش آتی۔ اور خود جاکے غریب سپاہیوں کی خدمت کرتی اور تسلی و تشفی کے ساتھ ان کے حوصلے بڑھاتی۔ مگر اس لڑائی میں ترک روز بروز غالب ہی آتے جاتے تھے عثمانی عساکر بڑھتے چلے آتے تھے اور روک تھام کی کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی ترکی لشکروں نے شہنشاہ پڑس کو نہایت عاجز کردیا اور اُسے شکست و ناکامی کا بالکل یقین ہوگیا۔ ایسی نازک حالت میں وہ ملول و حزیں متفکر و پریشان اپنے خیمہ میں تن تنہا جاکے بیٹھ رہا اور روسیوں کو حکم دے دیا کہ خبردار کوئی شخص چاہے کوئی ہو میرے خیمہ کے اندر قدم نہ رکھنے پائے کیتھرائن نے اس کی یہ حالت سنی تو بیتابی کے ساتھ دوڑی گئی۔ سپاہیوں نے منع کیا مگر اس نے پروانہ کی اور بے تکلف خیمہ کے اندر گھسی چلی گئی۔ شہنشاہ اس کی صورت دیکھ کے خوش ہوا گویا یہ پیاری محبت بھری صورت دیکھتے ہی دل کو تسلی ہوگئی۔ اور بولا خوب آئیں!

اس وقت تمہاری ہی ضرورت تھی۔ تمہاری رائے اکثر صائب ہوا کرتی ہے اب بتاؤ کہ اس معاملہ میں کیا کروں؟" کیتھرائن نے غور کر کے کہا: "میرے نزدیک تو یہ مناسب ہے کہ آپ ترکوں سے صلح کر لیں اور حکم دیدیں کہ ان کے جن جن شہروں پر وسیوں نے قبضہ کیا ہو چھوڑ دئے جائیں۔ رہا یہ امر کہ آپ سمجھتے ہیں اب ترک صلح پر راضی نہ ہوں گے اس کی میں ذمہ دار ہوں اور وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کا اشارہ پاتے ہی محمد پاشا سپہ سالار روم کو راضی کروں گی۔" اس کی یہ تجویز سن کے پیٹرس خوش ہوا۔ اور اسے صلح کی تحریک کرنے کی اجازت دی کیتھرائن نے شہنشاہ کا اشارہ پاتے ہی ایک معتبر ہوشیار اور عقلمند روسی سردار کو بہت سے زر و جواہر اور قیمتی . . . . تحفوں اور ہدیوں کے ساتھ محمد پاشا کے پاس روانہ کیا۔ یہ سفارت شہنشاہ کی مرضی کے موافق کامیاب ہوئی۔ شرائط صلح طے ہو گئے اور دونوں طرف کے لشکر واپس روانہ ہوئے۔ بعض متاخر مورخین کا بیان ہے کہ اس صلح میں کیتھرائن کو دخل نہ تھا خبر اُسے دخل ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود پیٹرس اعظم کو اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ ترکی سپاہیوں کی دست برد سے مجھے اور میرے لشکر کو ملکہ ہی نے اپنے حسن کارگذاری سے نجات دلائی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں کیتھرائن کے احسانات

کے ادائے شکریہ کے طور پر پیٹرس اعظم نے معزز ذکار گزار خانوں کی عزت افزائی کے لئے ایک زمانہ اعزازی تمغہ اور خطابات ایجاد کیا جو "سینٹ کیتھرائن" کے لقب سے آجتک مروج ہے۔

اس صلح کے تین سال بعد کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جسکی ولادت پر زار روس پیٹرس نے بڑی خوشیاں منائیں بی بی کی یادتازی رکھنے کے لئے اس کا نام کیتھرائن رکھا اور جبتک زندہ رہا ہر سال ایک قومی عید کی حیثیت سے اس کی سالگرہ منایا کیا۔ یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ اس شہزادی کے پیدا ہونے سے چند روز پہلے سویڈن کے بیڑوں پر روسیوں کو نمایاں فتح حاصل ہوئی تھی اور وہاں کا فرمانروا گرفتار ..... کرکے سینٹ پیٹرس برگ میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ فتحیاب افسروں اور پابہ زنجیر قیدیوں کا داخلہ عین اسی دن ہوا جس روز شاہزادی کی ولادت پر خوشیاں منائی جارہی تھیں۔ لہذا اس عید میں اور دھوم دھام اور شان و شوکت پیدا ہوگئی۔

پیٹرس اعظم نے اس سے پہلے خفیہ طور پر ممالک یورپ کا ایک سفر کیا تھا جس میں اُس نے عالم کی نظر سے مخفی رہ کے وہاں کی ترقیوں اور تاجرانہ الوالعزمیوں کو خوب غائر نگاہ سے دیکھا تھا اس سفر نے دل میں شوق پیدا کر رکھا تھا ..... کہ یورپ کا ایک سفر علانیہ طور پر اور شاہانہ

شان وشوکت سے بہی کرے۔ اور وہاں کے انتظامات سلطنت کو دیکھے۔ چنانچہ اس آرزو کے پورا کرنے کا اب موقع ملا۔ اور ملکہ کیتھرائن کو ساتھ لیکے نہایت ہی کروفر اور شوکت و حشمت سے سفر کیا۔

اثنائے سفر میں کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صرف ایک ہی دن زندہ رہنے کے لئے دنیا میں آیا تھا وضع حمل کی ضرورت سے ملکہ دو چار روز کے لئے ایک مقام پر ٹھہر گئی اور زار روس آگے بڑھ گیا۔ مگر کیتھرائن کو صاحب تاج وسریر شوہر کی مفارقت اس قدر گراں تھی کہ زچگی سے فراغت.. ہوتے ہی بغیر اس کے کہ اپنی کمزوری و معذوری کا کچھ خیال کرے۔ چل کھڑی ہوئی اور جلد جلد منزلیں طے کرکے اس سے جا ملی۔

اب پیٹرس اعظم کو دنیا میں ملکہ کیتھرائن سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی۔ محبت ہی نہیں اپنے آرام اور اپنی زندگی اس کی زندگی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ بدنصیبی سے خدا نے اُسے کوئی وارث تاج وتخت بیٹا نہیں دیا تھا۔ جس کے دم سے آئندہ کی امیدیں وابستہ ہوتیں ان مجموعی باتوں نے دل پر اثر کرکے اُسے اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ جان سے زیادہ پیاری بی بی کو باضابطہ طور پر تاج شہنشاہی پہنائے اور اس کو اپنا وارث سلطنت

قرار دے۔ چنانچہ اس نے ایک نیا عالیشان گرجا تعمیر کرایا جسکو اپنی شہنشاہ بیگم کے نام سے نامزد کیا۔ اسی کنیسہ میں ۱۷۲۴ء میں کیتھرائن کو بڑے جلوس اور نہایت تزک و احتشام سے لیجا کے تاج شاہی پہنایا۔ ملکہ کے جلوس میں خود شہنشاہ ایک فوجی افسر کی طرح پا پیادہ گرجے تک گیا وہاں اپنے ہی ہاتھ سے اسے تاج قیصری پہنایا۔ اور ملکہ کی تاج پوشی کے بعد اپنی طرف سے ایک اعلان پڑھ کے سنایا جس کا مضمون یہ تھا۔

"از جانب شہنشاہ اعظم مالک دولت روس بنام جملہ مقتدایان دین و والیان ممالک و سرداران فوج و رعایائے ممالک محروسۂ روس جو لوگ دیانت و امانت کی صفت سے متصف ہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ تمام ممالک مسیحی میں قدیم الایام سے رواج چلا آتا ہے کہ سلاطین اپنی شریک زندگی ملکاؤں کو تاج شاہی پہناتے ہیں۔ جس طرح یہ دستور آج جاری ہے۔ اسیطرح ازمنہ ماضیہ میں بھی مسیحی المذہب مشرقی شہنشاہان روم میں بھی جاری تھا۔ قیصر بازلیز نے اپنی ملکہ زنوبیہ کو قیصر جسٹی نین نے اپنی ملکہ بوئی سینا کو۔ قیصر ہرقل نے اپنی بی بی مرتینہ کو۔ اور قیصر لیون فلسفی نے اپنی بی بی ماریہ کو اور دیگر قیاصرہ روم نے اپنی شہنشاہ بیگموں کو تاج شہریاری پہنائے۔ جن کی فہرست بتانے کی ضرورت نہیں

شان وشوکت سے بہی کرے۔ اور وہاں کے انتظامات سلطنت کو دیکھے۔ چنانچہ اس آرزو کے پورا کرنے کا اب موقع ملا۔ اور ملکہ کیتھرائن کو ساتھ لیکے نہایت ہی کروفر اور شوکت وحشمت سے سفر کیا۔

اثنائے سفر میں کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صرف ایک ہی دن زندہ رہنے کے لئے دنیا میں آیا تھا وضع حمل کی ضرورت سے ملکہ دو چار روز کے لئے ایک مقام پر ٹھہر گئی اور زار روس آگے بڑھ گیا۔ مگر کیتھرائن کو صاحب تاج وسریر شوہر کی مفارقت اس قدر گراں تھی کہ زچگی سے فراغت.. ہوتے ہی بغیر اس کے کہ اپنی کمزوری ومعذوری کا کچھ خیال کرے۔ چل کھڑی ہوئی اور جلد جلد منزلیں طے کرکے اس سے جا ملی۔

اب پیٹرس اعظم کو دنیا میں ملکہ کیتھرائن سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی۔ محبت ہی نہیں اپنے آرام اور اپنی زندگی اس کی زندگی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ بدنصیبی سے خدا نے اُسے کوئی وارث تاج وتخت بیٹا نہیں دیا تھا۔ جس کے دم سے آئندہ کی امیدیں وابستہ ہوتیں ان مجموعی باتوں نے دل پر اثر کرکے اُسے اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ جان سے زیادہ پیاری بی بی کو باضابطہ طور پر تاج شہنشاہی پہنائے اور اس کو اپنا وارث سلطنت

قرار دے۔ چنانچہ اس نے ایک نیا عالیشان گرجا تعمیر کرایا جسکو اپنی شہنشاہ بیگم کے نام سے نامزد کیا۔ اسی کنیسہ میں ۱۷۲۴ء میں کیتھرائن کو بڑے جلوس اور نہایت تزک و احتشام سے لیجا کے تاج شاہی پہنایا۔ ملکہ کے جلوس میں خود شہنشاہ ایک فوجی افسر کی طرح پا پیادہ گرجے تک گیا وہاں اپنے ہی ہاتھ سے اسے تاج قیصری پہنایا۔ اور ملکہ کی تاج پوشی کے بعد اپنی طرف سے ایک اعلان پڑھ کے سنایا جس کا مضمون یہ تھا۔

"از جانب شہنشاہ اعظم مالک دولت روس بنام جملہ مقتدایان دین و والیان ممالک و سرداران فوج و رعایائے ممالک محروسۂ روس جو لوگ دیانت و امانت کی صفت سے متصف ہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ تمام ممالک مسیحی میں قدیم الایام سے رواج چلا آتا ہے کہ سلاطین اپنی شریک زندگی ملکاؤں کو تاج شاہی پہناتے ہیں۔ جس طرح یہ دستور آج جاری ہے۔ اسیطرح ازمنہ ماضیہ میں بھی مسیحی المذہب مشرقی شہنشاہان روم میں بھی جاری تھا۔ قیصر بازلیڈ نے اپنی ملکہ زنوبیہ کو قیصر جسٹی نین نے اپنی ملکہ بولی سینا کو۔ قیصر فل نے اپنی بی بی مرتینہ کو۔ اور قیصر لیون فلسفی نے اپنی بی بی ماریہ کو اور دیگر قیاصرہ روم نے اپنی شہنشاہ بیگموں کو تاج شہریاری پہنائے۔ جن کی فہرست بتانے کی ضرورت نہیں

اس کے ساتھ اسبات سے بھی سب لوگ بخوبی واقف ہیں کہ
کہ اس پچھلی لڑائی میں جو مسلسل ۲۱ سال تک جاری رہی ہم
نے ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے سخت سے سخت مصیبتوں
کا سامنا کیا اور بڑی دشواریوں سے لڑتے رہے بفضلہ تعالیٰ
ان لڑائیوں کا خاتمہ پوری کامیابی پر ہوا اور جیسی باوقعت
صلح اس موقع پر حاصل ہوئی ہے اس سے پہلے کبھی سلطنت
روس کو نہیں نصیب ہوئی تھی اور نہ ہماری قوم کو کبھی ایسا
فخر حاصل ہوا تھا جیسا کہ فی الحال اس موقع پر حاصل ہوا۔ ان
مہموں میں ہماری بی بی ملکہ کیتھرائن نے نہایت خلوص دل
اور مستعدی و دانائی سے ہماری مدد کی۔ اور بارہا نازک موقعوں
پر اس نے ہمارے لئے زندگی خطروں میں ڈالدی۔ خصوصاً
اس نازک موقعوں پر جبکہ دریائے پرت کے کنارے عساکر
عثمانیہ کے مقابل ہماری فوج کی حالت بہت ابتر ہوگئی تھی
اور ہمارے سپاہیوں کو بہت اضطراب تھا۔ اس موقع پر ہمارے
پاس صرف بائیس ہزار سپاہی رہ گئے تھے۔ اور عثمانی لشکر
کی تعداد دو لاکھ ستر ہزار تھی ان مواقع پر اس سے بڑی
بہادری حمیت اور اعلیٰ درجہ کی شجاعت ظاہر ہوئی جس سے ہمارے
تمام سپاہی واقف ہیں۔ اس کے ان خدمات کا لحاظ کرکے
اور نیز ان اقتدارات کی بنا پر جو ہمیں خدا کی عنایت سے

حاصل ہیں اس کی تاج پوشی کی رسم شہر ماسکو میں اس سال کے موسم سرما میں ادا کیا جاتا ہے جس کا اعلان ہمارے اور ہماری ملکہ کے بہی خواہ دوستوں میں اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔"

لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ درجۂ کمال تک پہونچنے اور کتھرائن کے وارث تاج و تخت قرار پا جانے کے بعد یکایک پیٹرس اعظم کو اس کی جانب بدگمانی پیدا ہوئی دونوں کی باہمی محبت نفرت و وحشت سے بدل گئی۔ جس کا ظہور یوں ہوا۔ کہ اسی تاج پوشی کے برس یعنی ۱۷۲۴ء کے آخر میں پیٹرس کو یقین ہو گیا کہ اس کی ملکہ کو ایک شخص سے ناجائز تعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ کی عظمت و سطوت کو حد سے زیادہ بڑھ جاتے دیکھ کے بعض امرائے روس کو حسد معلوم ہوا اور ان کی سازشوں نے شہنشاہ بیگم کو اپنے شوہر زار کی نظر میں متہم کر دیا۔ وہ شخص جسکی نسبت خیال تھا کہ ملکہ کا منظور نظر ہے اسے تو پیٹرس نے قتل کرا ڈالا مگر ملکہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس لئے کہ اُسے اس بلند درجہ سے گرانا جس پر وہ پہونچ چکی تھی آسان نہ تھا۔ شاید زار روس اس پر بھی آمادہ ہو جاتا کیونکہ اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ مگر زندگی

نے وفات کی اور ۱۷۲۵ء کے ابتدا ہی میں وہ دنیا سے رخصت ہوگیا
پیٹرس اعظم کی موت کی نسبت لوگوں میں بڑا اختلاف ہے
بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملکہ کیتھرائن ہی نے اُسے زہر دے کے
مار ڈالا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ کوئی باوقعت شہادت
موجود ہے کہ ملکہ کو الزام دیا جاسکے۔ لیکن اس میں شک نہیں
کہ ایسا خیال کرنے کے قرائن موجود تھے۔ چونکہ اب زار اپنی اس
ملکہ سے نہایت ناراض تھا۔ لہذا ممکن نہیں کہ اس کو آزار پہونچانے
کی فکریں نہ کر رہا ہو۔ اور کیا عجب کہ اگر زندہ رہتا تو اپنے
شہنشاہی اقتدار سے جسطرح پہلی بی بی کو طلاق دی تھی
اسے بھی دے دیتا۔ اور کیتھرائن کو جو کچھ عزتیں حاصل ہوگئی تھیں
آناً فاناً میں خاک میں مل جائیں۔ مگر باوجود ایسے قرائن کے ہمیں
بغیر کسی کافی ثبوت کے کیتھرائن کو متہم کرنے کا حق حاصل نہیں
ہے۔

پیٹرس کے مرنے کے بعد کیتھرائن نے اس کی موت کو کچھ
زمانہ تک مخفی رکھا۔ کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ اپنے مقاصد کے مطابق
تدابیر انجام دے لینے اور اپنے طرفداروں کی پارٹی تیار کر لینے
کے بعد شہنشاہ کی وفات کو عوام پر ظاہر کرے۔ اس مقصد
میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئی۔ پیٹرس اعظم کے مرنے کی خبر
مشہور ہوتے ہی تخت نشینی کے متعلق لوگوں میں اختلاف پڑا۔

مگر لارڈ میسی کوف اور دیگر امرائے ملک اعلیٰ عہدہ داران سلطنت آرچ بشپ پلوسکو زیر جنگ اور بہت سے صاحب اثر لوگوں کی ایک زبردست جماعت نے بالاتفاق کہا کہ پیٹر اعظم اپنی ملکہ کیتھرائن کے لئے تخت نشینی کی وصیت کر گیا ہے اور صاف الفاظ میں بتا گیا ہے کہ اس کی جانشینی کے لئے ملکہ سے زیادہ کوئی اہل نہیں ہے" اس جماعت میں اتنے اتنے بڑے لوگ شامل تھے کہ تمام مخالفوں کے حوصلے پست ہو گئے اور کسی کو علم مخالفت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سب نے ملکہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا اور اسطریقہ سے لیو دنیا کی وہی بدنصیب لڑکی جو اپنی ولادت کے وقت ہر طرح اور ہر بات میں بدقسمت نظر آتی تھی اور انتہا درجہ کی... مفلوک الحال تھی ۱۷۲۵ء میں سلطنت روس کے سریر شاہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئی اور دنیا کا ایک بڑا بھاری حصہ اس کے زیر فرمان تھا۔

عنان فرمانروائی ہاتھ میں لیتے ہی اس نے نظم و نسق سلطنت کی طرف توجہ کی اور اس کے عہد کے اہم واقعات میں سے یہ امور ہیں کہ مجلس اعیان (ہاؤس آف لارڈز) کو اس نے توڑ دیا۔ جس کی مملکت روس میں بیحد ضرورت تھی۔ کیونکہ روس میں امراء کا اثر بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور غریبوں

کی فریاد بہت کم سنی جاتی تھی۔ مذہبی لوگوں کا اثر اس سے پہلے حکومت پر غالب تھا۔ اس میں بھی اس نے مناسب اصلاحیں کیں۔ مقتدایان دین کے خطاب و القاب بیکار کردئے اور ان کی حکومت دائرہ کتب مقدسہ ہی تک محدود کردی۔

پادریوں کا زور کم کرنے کے ساتھ اس نے مجلس تعلیمات کو تقویت دی۔ اور کوشش کی کہ ملک میں آزادانہ تعلیم اور علم و فضل کو ترقی ہو۔ اس نے اپنے مشیروں کی ایک مخفی مجلس شورے مقرر کی تھی جو اس کی ذات تک محدود تھی اور رعایا پر اس کے ارکان کا اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

لیکن افسوس کہ اس کی زندگی نے بہت جلد بوفائی کی اور اپنے شوہر کے بعد کچھ کم تین ہی سال حکومت کرنے پائی تھی کہ بادفنا کے جھونکوں نے ۱۷۲۷ء میں اس کی زندگی کا چراغ گل کردیا۔ جبکہ اس کی عمر ۴۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔

اس روسی سمیرامیس کی زندگی کے کارناموں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ جیسی صاحب حسن و جمال تھی ویسی ہی عاقل و ہوشیار بھی تھی اپنے حسن کی قوت سے اس نے ایک زبردست ترین شہنشاہی اپنا غلام ہی نہیں

بنالیا تھا بلکہ اپنی ہمدردی و محبت سے رعایا کے ہزاروں دل بھی اپنے ہاتھ میں لے لئے

تیسری حسینہ

ہلینا

قسطنطین اعظم کی ماں

اسکی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی میں ہے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ اس کے ماں باپ کون تھے اور کس درجہ کے لوگ تھے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت ہی حسین و نازنین پری جمال و مہ طلعت تھی اور ایسی حسینہ تھی کہ جس کی نظر پر عجائب فریفتہ ہو جاتا۔ ایشیائے کوچک

کے شہر بثینہ میں جسے اہل عرب شہر "رہا" کہتے ہیں۔ ۲۴۷ء کے قریب پیدا ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قیاصرۂ روم عیسائیوں پر ظلم کرتے کرتے تھک گئے تھے اور نظر آتا تھا۔ کہ اس نئے دین کی جس قدر روک کیجاتی ہے اسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔ اکثر غربا حضرت مسیح پر ایمان لاتے جاتے تھے اور اندر ہی اندر ان کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ مسیحیوں میں جوش بھی سچا تھا اور بلا کا تھا۔ جن کے مقابل تمام پرانے بت پرستان روم کا جوش پھیکا پڑ گیا تھا وہی جو روح مسیحیوں کی تعداد بڑھا رہی تھی اس نے اس حسین لڑکی کو بھی مسیحیت کا شیدا بنا دیا۔ اور بثینہ کے اسقف کے پاس جا کے اس کے ہاتھ پر ایمان لائی اور مذہبی کتابوں کی تعلیم پا کے ایک تعلیم یافتہ لڑکی بن گئی۔

قسطنطین کلوروس جو قیصر قلطیانوس کا معتمد علیہ افسر تھا حملہ آوری کے سلسلہ میں ادھر آیا اتفاقاً اس کی نظر ہلینا پر پڑ گئی۔ اور دیکھتے ہی سو جان سے عاشق ہو گیا۔ فاتح کو ایک مفتوح شہر کی لڑکی پر وہ چاہے کیسی ہی حسینہ ہو دسترس پانا کون مشکل تھا اس ساتھ لے کے برزن ٹائن (موجودہ قسطنطنیہ) میں گیا اور اپنی ناز آفرین محبوبہ بنا کے رکھنے لگا ہلینا مسیحیہ ہو چکی تھی مگر اس کے رومی نژاد شوہر کا مذہب وہی

پر اما شرک کا مذہب بت پرستی تھا۔ وہاں اُس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جسکی ولادت کے ساتھ نجومیوں نے وقلطیانوس قیصر سے کہا کہ "یہ لڑکا عنقریب سلطنت روم کا مالک ہو جائے گا اور اہل روم کے مذہب کو بھی بدل دے گا" یہ سنتے ہی وقلطیانوس اس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ باپ سے سوا اسکے اور کچھ نہ بن پڑا کہ بی بی کو مع بچہ کے اس کے میکے میں بھیج دیا۔ ہلینا اگرچہ اپنے مذہب پر مستقل تھی مگر اس کی جرات اسے مشکل سے ہو سکتی تھی کہ بیٹے کو بھی اپنے مذہب کی تعلیم دے۔ مگر بچہ کو باپ سے جدا اور ماں کے وطن میں رہنے سے اور کچھ نہیں تو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اس کے دلمیں اگر مسیحیت نہیں تو مسیحیوں کی ایک گونہ محبت ضرور پیدا ہو گئی۔ چند روز بعد جب وقلطیانوس قیصر مر گیا تو اقبالمند بیٹا باپ کے پاس جا کے رہا۔

قسطنطیس کلوروس نے ہلینا کو یا تو اس کی مسیحیت کیوجہ سے یا اور کسی بنا پر طلاق دے دی۔ اور مقسیمیانوس ہرقل کی بیٹی سے عقد کر لیا۔ جس سے ہلینا مصیبت اور تنہائی میں پڑ گئی۔ مگر اپنے بچہ کی امید پر مصیبت اور تنہائی میں پڑ گئی مگر اپنے بچہ کی امید پر مصیبت کے ایام صبر وسکون سے کاٹتی رہی اب یہ لڑکا رومی رواج کے مطابق اپنے باپ کے

نام قسطنطین کا وارث ہوا۔ اور اپنے کارناموں اور اپنی بے نظیر کامیابیوں اور اقبالمندیوں کی بدولت قسطنطین اعظم کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کا باپ آخر زمانہ میں مغربی قلمرو روم کا حاکم تھا۔ اور اس کے مرنے پر وہی اس کی حکومت کا جانشین ہوا

ان دنوں روم میں ایک ہی زمانہ میں دو شہنشاہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ مغربی قلمرو روم کا حاکم قسطنطین تھا۔ جو علاقہ گالیا (فرانس و جرمنی) میں رہتا۔ اور دوسرا فرمانروا مقسنطیوس تھا جو خاص رومۃ الکبریٰ میں تھا۔ دونوں میں رقابت و عداوت بڑھتی گئی۔ اور قسطنطین اپنے لشکر کو روز بروز زیادہ زبردست اور مضبوط بناتا رہا۔ لیکن جس طرح خلافت عباسیہ میں امین اور مامون کے جھگڑوں میں عرب اور بنی عباس امین کے طرفدار تھے اور عجمی مامون کو چاہتے تھے اور اسے اپنا بھانجا کہتے تھے کیونکہ اس کی ماں مراجل عجمیہ تھی اسی طرح روم میں رومی بت پرست مقسنطیوس کے طرفدار تھے اور مسیحی لوگوں کو قسطنطین سے زیادہ محبت تھی۔ جسے وہ اپنا بھانجا بتاتے کیونکہ مسیحیہ عورت کا لڑکا تھا۔ قسطنطین نے دیکھا کہ جیسا سچا جوش اور جیسی مستعدی و جانبازی آجکل عیسائیوں میں ہے بت پرستوں میں نہیں مسیحیوں کی استمالت شروع کی اور آسمان پر ایک پرانی صلیب دیکھ کے صلیبی جھنڈا

بنایا۔ جس کے آگے مسیحی دوڑ دوڑ کے سر جھکا دیتے تھے اس سے پیشتر مسیحیوں نے صلیب کو اپنا دینی شعار نہیں قرار دیا تھا۔ مگر قسطنطین کی روحانی آنکھوں نے رومیوں ہی کے مذاق ایک بت آسمان پر دیکھ کے عیسائیوں کو دکھایا انہیں دیکھتے ہی حضرت مسیح کی شہادت و مصلوبی یاد آگئی اور دوڑ دوڑ کے اس کے آگے جوش و خروش سے سر جھکانے لگے۔ یہ ۳۱۲ء کا واقعہ ہے،

آخر قسطنطین صلیبی علم اور جانباز مسیحیوں کا زبردست لشکر لئے ہوئے روما الکبریٰ پر چڑھ آیا۔ حریف کو شکست دے کے قتل کیا۔ اور لڑ بھڑ کے روما الکبریٰ میں داخل ہوا۔ مگر یہاں کے لوگوں نے جو اپنے قدیم مذہب کے دلدادہ تھے اس کا استقبال نہایت سرد مزاجی سے کیا اور ان سے وہ گرمجوشی نہیں ظاہر ہوئی جس کو قسطنطین چاہتا تھا۔ یہ دیکھ کے اسے روما الکبریٰ سے نفرت ہوگئی۔ اور مشرق کا سفر کر کے پرانے شہر بزنطیم میں آیا اور اسے خوب آباد کرنا شروع کیا جسکا نام اس کی یادگار میں قسطنطنیہ قرار پایا۔

اب قسطنطین ساری مملکت روم کا شہنشاہ تھا۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی برابری کا دعویٰ کر سکے اس کی ماں جو باپ کے زمانے سے نکالی ہوئی تھی قصر شہنشاہ میں آکے "والدہ

سلطانہ بنی۔ جس کا قسطنطین نہایت ہی ادب و لحاظ کرتا تھا اور قسطنطنیہ میں جو آجتک جو یہ طریقہ جاری ہے کہ شہنشاہ کی ماں اصلی ملک سلطنت اور ملک بھر میں سب سے زیادہ واجب التعظیم تسلیم کی جاتی ہے غالبًا یہ ہلینا ہی کے زمانہ کی سنت ہے اس میں شک نہیں کہ دین اسلام کے رو سے بھی ماں کی ویسی ہی تعظیم ہونی چاہیئے کہ جیسی قسطنطنیہ میں کی جاتی ہے۔ لیکن کسی اور اسلامی سلطنت و مملکت میں بادشاہ کی ماؤں کو ویسا امتیاز نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ وہاں دیکھا جاتا ہے۔

اب تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد قسطنطین کو اپنا سب سے بڑا فرض یہ نظر آتا تھا کہ عیسائیوں کے احسان کا معاوضہ کرے جن کی جان بازی سے اسے سلطنت ملی تھی۔ اس بارے میں اس کی مشیر اس کی ماں ہلینا ہی تھی جو کھلی مسیحیہ تھی۔

قسطنطین اعظم کی نسبت بعض لوگوں نے لکھدیا ہے کہ وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں موجود ہے بے شک اسنے عیسائیوں کی بیحد طرفداری کی بیت المقدس میں جگہ جگہ ان کے لئے کنیسے اور عبادت خانے تعمیر کرائے۔ سلطنت روم کے قوانین میں عیسائیوں کے متعلق جو سختیاں تھیں دور کردیں۔ اس سے بھی بڑھ کے یہ کیا کہ عیسائیوں کی حالت اس

وقت تک بالکل غیر منتظم رہتی۔ ان کے عقائد و مسائل میں باہم سخت اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ قسطنطین نے نیقیہ میں عیسائیوں کی سب سے پہلی دینی کونسل منعقد کی۔ جسمیں تمام ملکوں کے اسقف اور پوپ شریک ہوئے اور قرار دیا گیا کہ ایک سچے مسیحی کے کیا عقائد ہونے چاہئیں اور تثلیث کا مسئلہ بھی کونسل نے طے کیا اور جو اسقف موحد تھے اور تثلیث کے مخالف تھے ملحد و بے دین قرار دئے گئے اس کونسل میں قسطنطین خود بھی شریک ہوا۔ مگر اسی طرح جیسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں کبھی لفٹنٹ گورنر بہادر آجاتے ہیں۔ باوجود عیسائیوں کی ایسی طرفداری کے اس نے رومیوں سے اپنے تعلقات منقطع نہیں کئے تھے۔ سینٹ صوفیا جو آجکل مسجد ہے اور اس سے پہلے کنیسہ تھی اسی قسطنطین کی بنائی ہوئی ہے جسے اس نے مسیحیوں کے لئے نہیں بلکہ علم کی دیوی کے مندر کی حیثیت سے تعمیر کرایا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے تو قسطنطین کا نام اپنے سینٹوں (ولیوں) کی فہرست میں درج کرلیا اور بت پرستوں نے اسی خوشی سے اپنا ایک دیوتا تسلیم کرلیا۔

بیت المقدس اور ارض فلسطین میں مسیحیوں کے خوش کرنے کے لئے اسنے جو کچھ کیا اپنی ماں ہلینا کے ذریعہ سے کیا

وہ ایک عقیدت کیش زائرہ کی وضع سے ادب و تعظیم کے ساتھ یہاں آئی۔ جہاں جہاں حضرت مسیح کے تشریف لیجانے کا حال سنایا۔ جن جن مقامات سے آپ کا کچھ بھی تعلق ثابت ہوا وہاں خود گئی۔ اور مناسب مقامات پر گرجے بنوائے۔ بیت اللحم میں آپ کے مولد پر کالوری کی پہاڑی پر یعنی آپ کے مقتل پر۔ نیز اس مقام پر جسے عیسائی آپ کا مدفن بتلاتے تھے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوائیں جس قدر ان زیارت گاہوں کی طرف اس نے توجہ کی اسی قدر اصلی حرم یعنی مسجد اقصیٰ کی جانب سے بے پروائی کی گئی۔ اس لئے کہ ارض یہود کے اصلی عیسائی جو اس کی قدر کرتے تھے فلاکت زدہ تھے اور رومی و یونانی عیسائیوں کو اس سے سخت عداوت تھی۔ کیونکہ جیسی آزادی وہ چاہتے تھے وہ اس وقت تک نصیب ہی نہ ہو سکتی تھی جب تک کہ یہود کی پرانی ... شریعت اور قدیم چیزوں کو کلیۃً ترک نہ کر دیا جاتا۔

ہلینا یہاں بڑی خوش اعتقادی کے ساتھ آئی تھی صاحبزادہ نے آسمان پر نورانی صلیب دیکھی تھی اب والدۂ محترمہ نے یہاں پہونچکے خواب میں زمین کے نیچے وہ اصلی صلیب دیکھ لی جس پر حضرت مسیح مصلوب کئے گئے تھے۔ چنانچہ اس کے اشارہ سے کالوری کی پہاڑی پر کھودا گیا تو زمین

کے اندر سے تین صلیبیں برآمد ہوئیں۔ حضرت مسیح کے ساتھ دو ڈاکو بھی مصلوب کئے گئے تھے لہذا اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ وہ یہی تینوں صلیبیں ہیں مگر اس امر کا فیصلہ کرنا باقی تھا کہ ان میں سے کون صلیب حضرت عیسیٰ والی ہے اور کون ڈاکوؤں والی ہیں۔ آخر خوش اعتقادی نے اس کا بھی تصفیہ کرادیا۔ ان تینوں صلیبوں میں سے ہر صلیب باری باری ایک مریض کے سرہانے رکھی گئی اور جس صلیب کی باری میں وہ مریض اچھا ہو گیا سمجھ لیا گیا کہ وہ اصلی صلیب جس پر حضرت مسیح لٹکائے گئے تھے یہی ہے۔ یورپ میں اس صلیب کی بڑی شہرت ہوئی اور اس کے لئے بڑی بڑی خونریزیاں ہوئیں اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے بعض معزز زائرین کو دیئے جاتے جو یورپ کے اکثر گرجوں میں اصلی صلیب کے نام سے قائم کئے جاتے۔ اور ان کے سامنے لوگ جا جا کے سجدہ کرتے آخر یورپ میں اتنی صلیبیں بن گئیں کہ اگر وہ ایک جگہ جمع کی جاتیں تو پورے جنگل کی لکڑیوں سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہوتی۔

الغرض یہ ہلینا ہی کے حسن کا کرشمہ تھا جس نے قلمرو روم میں مسیحیوں کو امن و امان دلوائی۔ اور چند روز بعد دولت

روم کو مسیحی دولت بنا دیا۔ بیت المقدس میں صدہا عالیشان گرجے تعمیر کرائے اور آخر یورپ سے پرانے دین کو بالکل مٹا دیا۔ وہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں سنہ ۲۴۷ء کے قریب پیدا ہوئی تھی۔ سنہ ۲۷۴ء میں جبکہ اس کی عمر ۲۷ برس کی تھی اس کے بطن سے قسطنطین اعظم پیدا ہوا سنہ ۳۱۲ء میں جبکہ اس کی عمر ۶۵ سال کی تھی قسطنطین تخت و تاج روم کا مالک ہوا۔ سنہ ۳۲۱ء میں جبکہ وہ ۷۴ برس کی تھی بیت المقدس کی زیارت کو آئی۔ اور یہاں کے گرجے بنوائے اور سنہ ۳۲۷ء میں ۸۰ برس کی ہو کے دنیا سے رخصت ہو گئی۔

وہ عیسائیوں کی ملکہ استیر تھی۔ جس طرح یہود کو ایک یہودیہ لڑکی کے ملکہ بن جانے سے اسیری میں عروج حاصل ہو گیا تھا ویسے ہی ہلینا کے ملکہ بن جانے سے مسیحیت کے دن پھرے دن ہی نہیں پھرے بلکہ عقیدہ بھی درست ہو گئی کیونکہ عیسائی کے مذاق کی اصلی مسیحیت وہی تھے جو نیقیہ کی کونسل میں اصلی مسیحیت اور ذریعۂ نجات قرار پائی اور ظاہر ہے کہ اگر ہلینا نہ ہوتی تو وہ کونسل بھی نہ ہوتی اور کونسل نہ ہوتی تو شاید عیسائیوں کو اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہوگا کہ سچا دین اور سچی صراط مستقیم فنا ہو گئی تھی۔ لیکن ہمیں افسوس ہے۔ کہ مسیحی اسی کونسل اور اسی ملکہ کی وجہ سے سچی توحید کی برکتوں سے محروم ہو گئے

چوتھی حسینہ

میڈم ڈی اسٹائل

اس خاتون کا پورا نام "این جرمن ڈی اسٹائل" تھا "این" دراصل عبرانی نام ہے جس کا تلفظ اس زبان میں توحنہ تھا مگر فرنگستان کے مغربی تصرفات نے اُسے بگاڑ کے "این" بنا دیا ہے۔ یہ خاتون ملک فرانس کی ایک معزز اور صاحب اثر عالمہ و فاضلہ اور مصنفہ گران پایہ تھی۔ اس کا باپ "نیکر" شاہ فرانس لوئی شانزدہم کے دربار میں وزیر خزانہ کی معزز خدمت پر سرفراز تھا شہر پیرس میں ۱۷۶۶ء میں وہ پیدا ہوئی۔ باپ کی امارت اور خوش مذاقی سے اُسے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانے اور اور بہت ہی نکھرا شائستہ مذاق حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ جسکی بدولت تعلیم سے فارغ ہوئے

ہی اس نے قابلیت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ کئی ڈراما اور ناول تصنیف کئے جو ملک میں قدر کے ہاتھوں سے لئے اور دلچسپی کے ساتھ پڑھے گئے۔

آخر اس کے عنفوان شباب۔ حسن و جمال اور ساتھ اس کے علمی مذاق نے سوئٹزرلینڈ کے سفیر متعینہ دربار فرانس "بیرن ڈی اسٹائل ہولسین" کو اس کے جمال و کمال کا ایسا دیوانہ بنا دیا کہ باوجود بہت سن رسیدہ اور معمر ہونے کے اس نے خوشامد درآمد کرکے اور اطاعت و وفاکیشی کے لمبے چوڑے وعدے کرکے آخر کار این کا سادہ اور بھولا دل جیت ہی لیا۔ اور شادی ہوگئی۔ جس میں دولہا جس قدر معمر تھا۔ اسی قدر دولھن کمسن اور بچہ تھی۔

شادی کے بعد ۱۷۷۸ء میں جبکہ این کی عمر بارہ ہی برس کی ہونی چاہیئے۔ اس کی کتاب "روسوں کی تحریروں اور اس کے خصوصیات پر چند خطوط" شائع ہوئی۔ جسنے فرانس کی پبلک پر بے انتہا اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ اسی کتاب کی وجہ سے وہ فرانس کی ایک مقبول عام مصنفہ بن گئی۔

اس کے بعد جب حکومت فرانس میں انقلاب ہوا۔ اور آزادی کی دلدادہ عایا نے اپنے تاجدار اور حکمران کے مخالف ہوکے سرتابی و بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تو دیگر امراؤ

عہدہ داران سلطنت کی طرح اس شائستہ خاتون
کے سفیر کی بی بی ہتی جس سے آزادی پسند اور مدی
جمہوریت فرانسیسیوں سے دوستانہ تعلقات تھے اس لئے
اسے پیرس میں رہنے کی اجازت دی گئی اس انقلاب
میں وہ ابتداءً آزادی کے دعوایداروں کی دل سے
ہمدردی تھی۔ اور اس انقلاب و بغاوت کو نہایت پسند
کرتی تھی۔ لیکن جب اسنے فرانس کے شاہی خاندان کی
تباہی و بربادی دیکھی۔ اور یہ نظر آیا کہ شاہزادوں اور
ان کے اعزہ و اقارب کے ساتھ کیسا بہیمیت کا سلوک
کیا جاتا ہے تو اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوا اور
اس کے ساتھ ہی وہ مدعیان آزادی کی بے اعتدالیوں
زبردست درازیوں کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی
جب شاہی خاندان کی ہمدردی کا خیال اس کے دل میں
اس قدر جوش زن تھا کہ نہایت جرأت سے کام لے کے
اپنی کتاب "ملکہ کے مقدمہ پر نظر" کمال آزادی اور بیباکی
کے ساتھ چھپوا کے شائع کردی۔ جس میں ملکہ مری انٹونٹ
کی جانب داری کی تھی اور اس کی بے گناہیوں کا
ثبوت دیا تھا۔ اس کی اشاعت سے لوگ اس قدر برافروختہ
ہوئے۔ اور اس طوفان بے تمیزی کے دور میں اسے اپنے

متعلق ایسے خطرے اور اندیشے معلوم ہوئے کہ سوا جلاوطنی اختیار کرنے کے بچاؤ کی اور کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ فرانس کو چھوڑ کے باہر چلی گئی۔

اس کے بعد جب "ڈائرکٹری" (مجلس حکومت) قائم ہوگئی۔ اور فرانس کا بدامنی کا زمانہ ختم ہوا تو وہ پھر پیرس میں آئی۔ اب اسے پالٹکس کے بڑا شوق تھا پوری پوری اسٹیٹسمین بنی ہوئی تھی حکومت و تمدن کے حلقوں میں اس کا بے حد اثر تھا۔ اور مجلس حکومت کے ارکان میں جیسے خیالات یا جو پالیسی چاہتی پھیلا دیتی اپنی دانائی و ذہانت سے وہ نپولین کے اصلی مقاصد و اغراض کو پہلے ہی سے سمجھ گئی تھی اور ملک میں اُسے سب سے زیادہ خطرناک شخص خیال کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے نپولین بوٹاپارٹ اپنی اولعزمی بلند حوصلگی کے راستہ میں اسے ہمیشہ مزاحم پاتا۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ جتنی باتیں کرتا اور جو تدبیریں سوچتا انکو وہ سخت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی اور لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کر دیتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کامیاب سپہ سالار فرانس نپولین بونا پارٹ جیسے ہی کونسل اول یعنے مدار المہام سلطنت مقرر ہوا۔ عہدہ کا چارج ہاتھ میں لیتے ہی اس

نے سب سے پہلے جو احکام جاری کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ "میڈم ڈی اسٹائل" (این) شہر پیرس سے خارج البلد کر دی جائے" اس حکم میں نپولین نے اس خاتون کی نسبت کمال تہذیب سے یہ الفاظ لکھے تھے۔ اس حوصلہ مند اور جادو بیان خاتون کے لئے ساری دنیا کھلی پڑی ہے۔ صرف ایک دارالسلطنت فرانس کو میں اپنے واسطے رکھے لیتا ہوں" نپولین کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس خاتون کی فصاحت و بلاغت کا وہ کس قدر قائل تھا۔ اور اس کے اثر سے کسقدر ڈرتا تھا

اس حکم کے بعد اس کا پیرس میں ٹھہرنا غیر ممکن تھا چنانچہ دوبارہ وطن کو خیرباد کہہ کے اسنے سوئٹزرلینڈ اور ایطالیہ کا سفر شروع کیا۔ مختلف شہروں اور علاقوں میں گئی، وہاں کے دلفریب مناظر دیکھے۔ وہاں کی دلچسپیوں سے لطف اٹھایا۔ اور وہاں کے عادات و اطوار سے واقف ہوئی جن چیزوں کا ثبوت اس کے مشہور ناولوں "ڈیلفین" کورس سے ملتا ہے۔

اس کے بعد ۱۸۱۰ء میں یکایک اس کی مشہور و معروف کتاب "جرمن" پیرس میں شائع ہوئی۔ جہاں خود اسے آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کتاب میں اسنے جرمن

والوں کے اطوار و عادات۔ علم و فضل۔ اور ان کے پولیٹکل ارادوں کی مکمل تصویر دکھائی ہے۔ حکومت فرانس کو یہ کتاب اپنے مقاصد و اغراض کے بالکل خلاف نظر آئی اشاعت کے ساتھ ہی نپولین کے وزیر پولیس نے اس کی دس ہزار جلدیں پکڑ لیں۔ میڈم ڈی اسٹائل ان دنوں شہر "کوپٹ" میں تھی۔ جو جنیوا کی جھیل کے کنارے ہے۔ پیرس سے نکلنے کے بعد اسی مقام کو اس نے اپنا مستقر قرار دیا تھا۔ اپنی کتابوں کے پکڑے جانے کا حال سنتے ہی اس نے زور و شور سے اعتراض کیا کہ کیا یہ کارروائی بالکل خلاف ضابطہ ہے۔ اس کا جواب وزیر پولیس نے یہ دیا کہ "آپ کی یہ کتاب کوئی فرانس کی قومی تصنیف نہیں ہے۔ اور اسی لئے میں نے اس کی اشاعت روک دی ہے۔ سابق میں آپ کا جو طرزِ عمل رہا اس کا نتیجہ آپ کی جلا وطنی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ فرانس کی آب و ہوا آپ کے مزاج کے موافق نہیں۔ اس لئے کہ ہم لوگ ابھی اتنے ذلیل نہیں نہیں ہوئے کہ جن قوموں کی آپ مدح خواں ہیں ان میں سے اپنے لئے نظیریں تلاش کریں۔"

اب چونکہ فرانس کی پولیس نے سختی کے ساتھ اسکے

حرکات و سکنات کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ اس لئے اس نے مملکت فرانس کو چھوڑ دیا۔ اور ان کی ریشہ دوانیوں کے حلقہ سے بھاگ کے ملک روس میں پہونچی۔ اور وہاں سے چل کے انگلستان میں آئی۔

اس کے بعد اس کی جو کتاب شائع ہوئی اس کا نام "دہ سالہ جلاوطنی" ہے اس میں نہایت ہی جوش کے ساتھ نپولین اور اس کی حکومت کی مخالفت کی ہے اور اسے دھمکیاں دی ہیں۔ پھر ۱۸۱۴ء میں نپولین کی علیحدگی کے بعد وہ پیرس میں واپس آئی اور جب شہنشاہ مذکور "البار" سے واپس آیا تب ہی اسے پیرس میں رہنے کی اجازت رہی۔ اس کے بعد جب مجلس "بوربون" قائم ہوئی تو وہ فرانس چھوڑ کے سوئٹزرلینڈ میں چلی گئی۔ اور یہی زمانہ ہے۔ جب سے اس نے پالٹکس میں دخل دینا چھوڑ دیا۔

سوئٹزرلینڈ میں عزلت گزین ہونے کے چند روز بعد اس کے شوہر "بیرن ڈی اسٹائل" نے آخرت کیا اور اس نے مخفی طور پر "مسیو روکا" نام ایک شخص کے ساتھ عقد کر لیا اور اسی طرح سوئٹزرلینڈ کے گوشۂ عافیت میں عزلت گزین رہی۔ اس عزلت گزینی کا زمانہ اس نے اپنی مشہور کتاب "انقلاب فرانس پر نظر" کی تصنیف

726

وتدوین میں صرف کیا۔ مگر وہ اس کی زندگی میں نہیں۔
شائع ہو سکی۔ اس آخری تصنیف میں اس نے فرانس
کی بدنظمی اور طوائف الملوکی کے زمانہ کی تصویر
بڑی چابک دستی سے دکھائی ہے اور اس دور کے
جس جن لوگوں سے اُسے سابقہ پڑا تھا اس کے اوضاع
واطوار کا مرقع بنا کے ناظرین کی نظر کے سامنے پیش کر دیا
ہے۔

مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ یہ کتابیں بھی اس کی
مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ یہ کتابیں بھی اس کی
تصنیف ہیں۔ "جذبات کا اثر" "خود کشی" "خیال آفرینی"
یہ تینوں کتابیں دراصل عالمانہ مضامین ہیں۔ جو ان
سجکٹوں پر قلمبند کئے گئے ہیں۔

الغرض میڈم ڈی اسٹائل اپنے عہد کی نہایت ہی قابل
مصنفہ اور مدبرہ ہستی جس کی کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی
آخر اسی سوئٹزرلینڈ کی خلوت گزینی میں ۱۸۱۷ء
میں اس نے دنیائے فانی کو رخصت کیا اور ان خوش
نصیبوں میں جا ملی۔ جنہوں نے اس ناموری کی زندگی
کے شوق میں اس دنیوی زندگی کو چھوڑ دیا ہے۔

پانچویں حسینہ

جون آف آرک

(فرانس کی مظلوم حامیۂ وطن)

یوں تو ہر ملک اور ہر قوم میں صدہا نامور عورتیں گذری ہیں۔ جنہوں نے اپنے حسن و جمال کی قوت سے زمانہ کو مسخر کر لیا۔ اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھا دیئے مگر جون آف آرک کی شان و وضع کی عورت چراغ لے کے ڈھونڈھیے تو بھی ساری دنیا میں نظر نہ آئے گی اس کی سرگذشت جیسی دلچسپ اور حیرت

خیز ہے ویسی ہی جگر خراش اور خون رلانے والی بھی ہے:

پندرہویں عیسوی صدی کے آغاز میں مملکت فرانس کی حالت نہایت ہی نازک ہو رہی تھی شاہ چارلس ششم بالکل فاتر العقل اور مجنون تھا۔ نہ اس کے سنبھالے نظام مملکت سنبھلتا تھا۔ اور نہ بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام ہو سکتی تھی اس کا اکلوتا بیٹا ڈوفین نالائق، خوشامدیوں میں گھرا ہوا تھا۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ لوگوں کو اس کی نسبت باپ کے حلالی بیٹے ہونے میں شبہ تھا۔ کیونکہ ایک معاہدے کی رو سے سالے حقوق شاہی انگلستان کے بادشاہ ہنری پنجم کو دے دیئے گئے اور جائز وراثت سے محروم کر دیا گیا۔ ادھر ڈوفین یعنے چارلس ہفتم کے چچی اعمام اور بھائیوں نے اپنے جتھے باندھ کے ارادہ کیا کہ خود ہی ملک کے مالک بن جائیں خصوصاً ڈیوک آف برگنڈی جو انگریزوں سے ملا ہوا تھا سلطنت کی ہوس کے ساتھ بعض خاندانی تراعون کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ مگر امراء کے سوا عام رعایا چارلس ششم کے بیٹے ڈوفین ہی کی طرف دار تھی

اور اسی کو حقیقی وارث سلطنت تصوّر کرتی تھی ان سب امور کا نتیجہ یہ تھا کہ فرانس کے امرار اور شاہزادوں میں جھگڑے چھڑے ہوئے تھے۔ دوسری طرف سے انگریزوں کے لشکر نے فرانس کی فوجوں کو شکستیں دیں۔ اور یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرتے چلے جاتے تھے۔ آخر کار انگریزوں نے شہر اورلیان کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ اور سلطنت کے بنائے کچھ نہ بنتا تھا۔

ایسے نازک وقت میں ان تمام دشواریوں کے دور کرنے اور فرانس کو تباہی سے بچانے کے لئے خدا نے عجیب و غریب لڑکی جون آف آرک پیدا کی جو ساری دنیا میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

یہ ایک فرانس کی نوعمر و نوخیز حسین و نازنین گلفام سیم تن دوشیزہ لڑکی تھی۔ زلفیں مشرقی حسینوں کی طرح سیاہ تاب اور مشکیں تھیں اور آنکھیں بھی بجائے نیلگوں اور نیلوفری ہونے کے جادو نگاہ مہ وشان مشرق کی طرح خوب کالی اور نہایت چمکدار تھیں اس کے بے مثل حسن و جمال سے دلبری کا پورا کمال نمایاں تھا اور اس کی دلدوز آنکھیں اپنی دلربائی کی قوت سے

سارے عالم کے مسخر کرنے کا دعویٰ رکھتی تھیں۔
ملک فرانس میں دریائے لوریں کے کنارے ڈومری نام ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اس میں جیک آف آرک نام کا ایک کسان رہتا تھا۔ جو اپنی زوجہ ازابو کے ساتھ بستی کے دوسرے لوگوں کے دیکھتے کسی قدر معزز و ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس تھوڑا سا غریبانہ سرمایہ تھا۔ . . . . . .
. . . بھیڑوں کے دو ایک گلے تھے اور اس کے ساتھ خدا نے تین بیٹے دیئے تھے اور دو بیٹیاں۔ انھیں دو بیٹیوں میں سے ایک جون آف آرک تھی جسے لوگ چھوٹی بہن بتاتے ہیں اور بعض بڑی۔
جون آف آرک ۱۵ر جنوری سنہ ۱۴۱۲ء کو پیدا ہوئی تھی جب ننھی بچی تھی اکثر باپ کی بکریاں چرانے کو گاؤں کے اطراف و جوانب میں چلی جاتی۔ اس کی ماں ازابو نے کسی خانقاہ میں تعلیم پائی تھی۔ جس کی وجہ سے اس پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ اور وہی تعلیم اس نے اپنی بیٹی کو بھی دی۔ سینا۔ پرونا۔ کاڑھنا۔ چرخہ کاتنا سکھاتے کے ساتھ ساتھ اس نے انہیں دعا و عبادت۔ زہد و تقویٰ اور پاکدامنی و عفت شعاری کی اعلیٰ تعلیم دی خصوصاً

ابتدائے شب کو بیٹیاں اس کے پاس اپنا سینا پرونا لیکے بیٹھتیں تو وہ انہیں مسیحی ولیوں اور شہیدوں اور بزرگان دین کی داستانیں سنایا کرتی۔

یہ باتیں دوسری بہن تو معمولی اثر کرتی رہیں مگر جون کے دل پر فطرتی استعداد کے باعث عجیب قسم کا اثر ہوا۔ پانچ ہی برس کی تھی کہ ان واقعات کی فکر میں اس پر ایک استغراق اور مراقبہ کا سا عالم طاری ہوجاتا۔ اور کبھی کبھی ان بزرگوں کی صورتیں ہم شکل ہو کے اس کے خیال کی آنکھوں کے سامنے آکے کھڑی ہوجاتیں اور چند ہی روز میں اسے بار بار نظر آنے لگا کہ عالم خیال میں فرشتے اور روحیں آآکے اس سے ملتی اور باتیں کرتی ہیں۔ مگر ان کیفیتوں کو اس نے اپنے پر اسرار سینہ میں مخفی رکھا اور ماں باپ یا کسی پر بھی کوئی بات نہ ظاہر ہونے دی۔

اب وہ تیرہ برس کی نوخیز وسرو قامت دوشیزہ تھی ایک دن گاؤں کے گرجے کے قریب اپنے گلّے کی نگہبانی کرتی اور ہاتھ میں کوئی کپڑا لئے کاڑھ رہی تھی کہ ناگہاں آنکھوں کے سامنے نور چمکا پھر ایک نورانی پیکر آسمان سے اترتا نظر آیا جس نے قریب آکے کہا "جون! اچھی لڑکی بن!" اس واقعہ سے وہ سہم گئی اور نہایت حیران و پریشان

اور بدحواس و ہیبت زدہ تھی۔ مگر ان روحانی سیروں کا
سلسلہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔ بار بار ایسی ہی چیزیں نظر
آئیں جن کے ذریعہ سے اسے ہدایت کی جانے لگی۔
کہ "اٹھ! خدا نے جس کام کے لئے تجھے پیدا کیا ہے اسے
پورا کر! جا اور بادشاہ فرانس کی مدد کر! کیونکر تو ہی
ملک کی پشت و پناہی کرے گی"۔ یہ باتیں سن کے وہ اور
زیادہ سہم گئی۔ بعض اوقات کانپتی۔ تھرتھراتی اور اپنی
بے بسی پر رونے لگتی۔ اور چشم فشاں سے آنسو پونچھ کے
کہتی "مجھ سی غریب ناتواں و ناکارہ لڑکی کیا کر سکتی ہے؟
میں نہ گھوڑے پر سوار ہونا جانتی ہوں۔ نہ تلوار چلانا جانتی
ہوں۔ پھر فرانس کی کیا خاک مدد کروں گی؟"
اب اس میں ضبط کا یارہ نہ تھا۔ ولی جذبات کے ظاہر
کرنے کے لئے بیتاب تھی مگر کسی سے کچھ کہتے ہی نہ بنتی تھی آخر
نہ رہا گیا۔ اور اپنے ایک عزیز ہم سن لڑکے سے جس کا
نام جرارڈ تھا اور ایک ایسے گاؤں کا رہنے والا تھا۔ جہاں
کے لوگ شاہ فرانس کے خلاف اور ڈیوک آف برگنڈی
کے طرفدار تھے اسنے دبی زبان میں کہا "اگر تم برگنڈی کے
طرفدار نہ ہوتے تو میں تم سے ایک بات کہتی!" جرارڈ دل
ہی دل میں جون کے رخ زیبا کا فریفتہ ہو رہا تھا یہ کلمات

سن کے خوش ہوا اور سمجھا کہ "غالباً میری طرح یہ بھی میری طرف مائل ہے شادی کا تذکرہ چھیڑے گی" مگر وہ ہزار پوچھتا رہا جون نے کچھ نہ بتایا۔ اور لب تک آئی ہوئی بات کو پھیر دیا۔

وہ نورانی صورتیں جو اس کے پاس آیا کرتیں انہوں نے اُسے یہ بھی بتایا تھا کہ مقام دوکولر کے کپتاں کے ذریعہ سے تو بادشاہ فرانس چارلس ہفتم سے مل۔ اسی چکر میں تھی کہ اس کپتان سے کیونکر ملوں کہ اتفاقاً ڈیورنڈ لکزارٹ نام اس کا ایک رشتہ دار اور اس کے والدین سے ملنے کو آیا۔ جو مقام دوکولر کے قریب ہی رہتا جون نے تنہائی میں موقع پاکے اس سے التجا کی کہ چند روز کے لئے آپ مجھے اپنے ساتھ لیتے چلئے۔ اور ابا جان سے یہ بہانہ کر دیجئے کہ چچی امان (آپ کی بی بی) نے مجھے بلایا ہے۔ ڈیورنڈ نے جون کی یہ خواہش پوری کر دی اور اسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا۔ وہاں پہونچ کے ایک دن جون نے جی کڑا کر کے ڈیورنڈ سے کہا اور آپ دوکولر کے کپتان کے پاس میرا اتنا پیغام پہونچا دیتے کہ مجھے بادشاہ چارلس ہفتم کے پاس پہنچا دیں اس لئے کہ میں ان کی مدد کرنے اور انگریزوں کو فرانس سے مار کے نکال دینے کی اہم خدمت پر مامور ہوئی ہوں

ڈیورنڈ یہ باتیں سنکے حیرت زدہ ہوگیا۔ پھر اس کیحالت اور کیفیت دریافت کی۔ اور گویہ باتیں اسے نہایت لغو نظر آتی تھیں۔ مگر اس کا پیغام لے کے کپتان کے پاس چلاگیا کپتان نے سنتے ہی ایک قہقہہ لگایا اور کہا "تمھاری عقل جاتی رہی ہے اس چھوکری کے دو دھولیں لگاؤ۔ اور اس کے گھر بھیجدو انگریزوں کا مقابلہ اور ایک کنواری لڑکی! بھلا کوئی سمجھ میں آنے کے قابل بات ہے؟" ڈیورنڈ نادم ہو کے واپس آیا۔ اور کپتان کا جواب صاف صاف جون سے بیان کردیا۔

اب جون بظاہر تو خاموش ہورہی مگر دل کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ ناکام و نامراد باپ کے گھر میں واپس آئی۔ اب اس کا راز فاش ہو چکا تھا۔ باپ کو بھی خبر ہوگئی اور اس کے دل میں خیال گزرا کہ معلوم ہوتا ہے۔ جون کے دلمیں آوارگی کے خیالات پیدا ہوئے ہیں اور بدکار و مداخلاق فوجی سپاہیوں میں جاکے رہنا چاہتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی مارے غیرت کے پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اور یہ حالت تھی کہ کبھی خودکشی پر آمادہ ہوجاتا اور کبھی بیٹی کی جان لینے پر۔ مگر جون نے ان باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ کیونکہ اسے حمایت وطن کی دھن بندھی

ہوئی تھی۔ اور روحانی قوت نے اسمیں ہمت۔ حوصلہ۔ جرأت۔ شجاعت۔ سپہگری۔ شہسواری ملک گیری اور علم وفضل کے تمام کمالات پیدا کر دئے تھے۔ آخر دو ایسے ہم عمر ساتھی بھی مل گئے جو اس کے طرفدار اور حامی و مددگار رہے۔ اور انہیں ساتھ لے کے ۲۳ فروری ۱۴۲۹ء کو جب اس کی عمر ہنوز ۱۶ یا ۱۷ برس کی تھی۔ وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی اہل وطن نے روکا کہ راستہ دشوار اور آجکل ملک میں انگریزی لشکروں کے پھیلے ہونے کے باعث خطرناک ہو رہا ہے۔ مگر اسنے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ "میں ایسے خطروں کی برداشت کرنے ہی کے لئے پیدا ہوئی ہوں" سفر پر قدم رکھتے وقت مردانے کپڑے پہن لئے۔ ہتھیار لگائے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوئی۔ اور وطن کو خیرباد کر دی

چارلس ہفتم ان دنوں شہر شینون میں تھا۔ جہاں اس کے گرد فضول مصاحبوں صدہا عورتوں اور بہت سے تباہ کرنے والے ناعاقبت اندیش افسروں کا ہجوم تھا راستہ میں طرح طرح کے خطرے دیکھ کے جون راتوں کو سفر کرتی۔ اور دن کو کسی پناہ کی جگہ ٹھہر جاتی گیارہ دن کی دشت نوردی کے بعد یہ سفر ختم ہوا اور وہ شینون کے قریب فیربوا نام ایک گاؤں میں ٹھہر

گئی۔ یہاں سے اس نے بادشاہ چارلس کو اپنے آنے کی خبر کی۔ اور کہلا بھیجا کہ میں آپ کے تخت کو بچاؤں گی۔ شہر اورلیان پر سے انگریزوں کا محاصرہ اٹھاؤں گی۔ اور مقام رائن میں آپ کو تاج شاہی پہناؤں گی جس سے وہ محروم کر دیا گیا تھا۔

جون کے قاصد نے بادشاہ کی باریابی حاصل کر کے جیسے ہی یہ پیغام پہونچایا بادشاہ کو غصہ سا آگیا کہ ایک کم سن چھوکری۔ اور میری امداد کا دعویٰ۔ پھر ایک زہر خند کے ساتھ بولا" اچھا میں اس بارے میں وزیروں سے مشورہ کروں۔ تو جواب دوں" وزیروں اور مشیروں کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا گیا تو ایک گروہ نے اس درخواست کا مضحکہ اڑایا اور ایک گروہ کی رائے قرار پائی کہ اُسے اپنی تدبیریں عمل میں لانے کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں نظر آتا۔ تین دن تک ان لوگوں میں کمیٹیاں ہوتی رہیں۔ اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خود بادشاہ موافق و مخالف گروہوں کے بین بین میں تھا۔ آخر اس کے دل میں آئی کہ اچھا کوئی امر طے کرنے سے پہلے میں اس سے

مل کے اُسے آزما تو لوں۔ فوراً قاصد واپس گئے کہ جون کو لے آئیں۔ اور ان کے جانے کے بعد اُس عجیب و غریب حسینہ لڑکی سے ملنے کے لئے اُس نے دربار مرتب کیا تو اپنی جگہ اپنے کسی افسر کو اپنے کپڑے پہنا کے صدر میں بٹھا دیا۔ اور خود نہایت ہی عام وضع کے کپڑے پہن کے درباریوں میں مل گیا۔ جون آئی۔ حاضرین دربار کی صفیں چیرتی ہوئی صدر میں آئی۔ صدر نشین کو دیکھا۔ پھر تمام حاضرین کے چہروں پر ایک احمالی نظر ڈالی اور لپک کے خود چارلس ہفتم کے سامنے پہونچی۔ ادب سے سر جھکا دیا۔ اور بولی "بردبار بادشاہ کی عمر دراز"۔ چارلس نے کہا "میں بادشاہ نہیں بادشاہ وہ صدر میں بیٹھے ہیں جون نے ادب سے عرض کیا "بادشاہ تو آپ ہی ہیں اور میں ایک غریب لڑکی ہوں جو روح القدس کی جانب سے اس خدمت پر مامور ہوئی ہوں کہ آپ کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کروں"۔

جون کی سادگی۔ خوبصورتی۔ اور اس کی باتوں نے چارلس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ امرائے دربار سے

الگ تخلیہ میں جاکے اُس سے ملا۔ اس موقع پر جون نے ایسی باتیں بتادیں جو چارلس کے خیال میں اس کے سوا دنیا بھر میں کسی کو نہیں معلوم تھیں۔ اس ملاقات کے بعد بادشاہ دربار میں برآمد ہوا اور تمام وزراء و امراء سے کہا "مجھے تو اس پاکدل لڑکی کی سچائی کا پورا یقین ہو گیا تاہم آپ سب لوگوں کے اطمینان کے لئے میں اس کا امتحان کرتا ہوں" یہ کہہ کے اس نے شہر کے بڑے بڑے مقتدایان دین اسقفوں۔ عالموں اور مختلف علوم کے باکمالوں کو جمع کرکے جون کو ان کے سامنے پیش کیا کہ جس مسئلہ کو چاہیں اُس سے پوچھیں۔ عالموں نے مشکل سے مشکل مسئلے چھیڑے اور سب کے ایسے صحیح و برجستہ جواب جون نے ایسے فصیح و بلیغ الفاظ اور دلکش لب و لہجہ میں دیئے کہ سب اس کے علم و فضل کے سامنے عاجز آگئے اور سارا دربار عش عش کر گیا۔

اب کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں باقی تھی اور چارلس تو اس کا عقیدت کیش مرید ہی بن گیا تھا۔ فوراً اپنا شاہی گارد اس کے حوالہ کر دیا

اور کہا "آپ کا جب جی چاہے فوج کشی کے لئے روانہ ہو جائیے" اور جوں اس کی افسر بن کے فوراً روانہ ہو گئی۔ اب جوں کی عجیب شان تھی ایک ہاتھ میں نیزہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں شاہی علم۔ زرہ بکتر سے آراستہ۔ آبدار خود پہنے اور زلف مشکین کو پیٹھ اور شانوں پر بکھرائے گھوڑے پر سوار فوج کے آگے آگے جا رہی تھی۔ سپاہیوں کے دلوں میں شاید خیال گزرا ہو کہ یہ گھوڑے تک پر کبھی سوار نہیں ہوئی دشمنوں سے کیا مقابلہ کرے گی۔ مگر اس نے تھوڑی ہی دیر میں چابک سواری کے ایسے کمالات دکھا دیئے کہ کل ہمراہی سوار مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔

شہر اورلیان کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی انگریز بہت ہی سختی سے محاصرہ کئے ہوئے تھے شہر والوں میں ذرا بھی دم نہیں باقی رہا تھا اور جو فرانسیسی لشکر انگریزوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس کے حوصلے پست تھے۔ اور کچھ بنائے نہ بنتی تھی۔ اور سلطنت میں اتنی قوت نہیں باقی رہی تھی کہ محصورین کی کمک کر سکے ایسی حالت میں جون آف آرک شاہی گارد

کو لئے ہوئے جوش و خروش سے پہونچی۔ یہاں پہنچکے لڑائی کا آغاز اس نے اس طور سے کیا کہ اپنی فوج میں سے تمام زانیہ عورتوں کو نکلوا دیا۔ سپاہیوں کو زنا کاری سے توبہ کرا کے ان کے دل پاک و صاف کئے۔ پھر ان کے دلوں میں امید و رجا کے شمعیں روشن کیں۔ اور سب سے کہا "بس خدا پر بھروسا رکھنا" اس کے بعد اس نے ایسی سختی سے حملہ کیا کہ پہلے ہی دن کی لڑائی میں اہل شہر کی امیدیں مضبوط ہو گئیں۔ انگریزوں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور لڑائی کا رنگ بدل گیا۔

لیکن سچ یہ ہے کہ ان دنوں فرانس والے نہایت ہی نالائق ہو رہے تھے۔ اور اس قابل نہ تھے کہ خدا ان کی دستگیری کے لئے جون آف آرک کے ایسے فرشتۂ رحمت کو بھیجتا۔ انگریزوں میں تو یہ خیال مشہور ہوا کہ یہ عورت جادو گرنی ہے۔ جس سے وہ ہیبت کھانے لگے مگر فرانسیسی افسروں نے ناشکری کا پہلا اظہار یہ کیا کہ ایک عورت کی ماتحتی اور اس کے مشوروں پر عمل کرنے کو حقارت و ذلت سمجھے۔ اور خود بادشاہ کے شاکی ہوئے کہ ایک گنوار چھوکری کو ہم پر سردار مقرر کیا ہے۔ اور ابتدا ہی سے ان کی

وضع یہ رہی کہ جون کی مخالفت کرتے۔ اُس کے احکام کے خلاف کارروائیاں کرتے اُس کی تذلیل وتحقیر کے لئے سازشیں کرتے اور محض اس کی عداوت کے خیال سے لڑائی کا رنگ بدلتے اور قومی سلطنت کے ذلیل کرانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے جون ان سب باتوں کو دیکھتی اور سمجھتی تھی۔ مگر حمایت وطن میں اُس کے قدم کو ذرا بھی لغزش نہ ہوئی۔

بہرحال جون نے انگریزوں سے مقابلہ شروع کیا تو ان کے حواس جاتے رہے اور آغاز جنگ ہی میں انھیں اپنی کامیابی مشتبہ نظر آنے لگی سب کو یقین ہوگیا کہ یہ اگر جادوگرنی نہیں تو کوئی فرشتہ ہے۔ جو دشمنوں کی مدد کے لئے آسمان پر سے اتر آیا ہے اب جون نے خود حملہ کا قصد کیا سفید براق کپڑے زیب بدن کئے۔ کالی کالی زلفیں پیٹھ پر پھیلا دیں۔ نقرہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ ایک ہاتھ میں نیزہ اور ایک میں علم لیا۔ اور شاہی گارد کو نے کے بزن بول دیا۔ یہ ایسا زبردست حملہ تھا کہ انگریزوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور پریشان و بدحواس بھاگے۔ اس کے بعد اورلیان میں اس نے انگریزوں کو تابڑتوڑ شکستیں دیں۔ یہاں تک

کہ انگریزوں نے بہت نقصان اٹھا کے محاصرہ چھوڑ دیا اور واپس گئے۔

اس کی اس کامیابی پر فرانسیسی افسران فوج کے دلوں میں آتش حسد اور بھڑ کی خصوص اس لئے کہ ان کی مخالفت نے بھی جون کی فتحمندی میں فرق نہ آنے دیا۔ جون فتح حاصل کر کے شہر "بلوا" میں گئی کہ بادشاہ کو مژدۂ فتح سنائے اب اس کی اسقدر شہرت ہوگئی تھی کہ عام اہل فرانس اس کے نام پر فریفتہ اور اس کی زیارت کے مشتاق تھے۔ جدھر سے اس کا گزر ہوتا ہزارہا خلقت کا انبوہ اس کی صورت زیبا دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتا۔ جوش و خروش سے اس کی تعظیم کے لئے جھکتے اس کے قدم چومتے جو خاک اس کے پاؤں سے چھو جاتی۔ اسے چومتے اور متبرک خیال کرتے شہر بلوا والوں نے بڑی ہی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اور بادشاہ نے مژدہ فتح سننے کے بعد اظہار شکرگزاری کے لئے اسے اپنے ساتھ کھانے پر بلایا۔ مگر جون نے قطعاً انکار کیا اور کہا "یہ وقت کوشش اور جان کھپانے کا ہے۔ نہ مزے اڑانے اور دعوتیں کھانے کا"

"روح القدس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ میرے سفر

آخرت کرنے کا وقت قریب آگیا ہے اور دو سال سے زیادہ زندگی نہیں باقی ہے۔ اس لئے فوراً شہر رائن میں چلیے تاکہ میں آپ کو اپنے ہاتھ سے تاج شاہی پہنا دوں۔ اس کے بعد خدا جو چاہے کرے"! اس طریقہ سے اس نے چارلس ہفتم کو مجبور کر دیا کہ بہت جلد اس کے ساتھ شہر رائن کی طرف کوچ کرے۔

آخر چارلس ہفتم کو ساتھ لے کے وہ بڑے کر و فر سے اور عجیب شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئی بادشاہ کے آگے آگے سفید کپڑے پہنے۔ زلفیں بکھرائے سفید گھوڑے پر سوار اور فرانس کا علم ہاتھ میں لئے ہوئے وہ تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ انسان نہیں کوئی فرشتہ ہے جو مملکت فرانس کی حمایت اور شاہ چارلس کی پشت پناہی کے لئے آسمان سے اتر آیا ہے۔ یہ شاہی لشکر ایک قسم کی روحانی عظمت کی شان دکھاتا ہوا شہر حبار جو کے قریب پہنچا جس پر انگلستان والوں کا قبضہ تھا انگریز پہلے تو اس قدر غالب آچکے تھے کہ اپنے آپ کو سارے ملک فرانس کا مالک تصور کرتے تھے اور انہیں اپنی فتح میں ذرا بھی شک و شبہ نہ تھا۔ مگر اب جون کی کارروائیوں نے ان کی اس کامیابی کی رفتار میں ایک فوری انقلاب پیدا

کرکے انہیں پسپا کرنا شروع کر دیا تھا اور ان کے
دلوں پر جون کی ہیبت بیٹھ گئی تھی تاہم انگریزوں کی
حمیت نے اس بات کو گوارہ نہ کیا شہر کو بے لڑے
فرانسیسیوں کے حوالہ کر دیں وہ مزاحمت کے لئے
تیار ہوئے اور جون نے ان پر بلا تامل جوش و خروش
سے دھاوا کیا اس کی جان بازی نے فرانسیسی سپاہیوں
کے مردہ دلوں میں نئی زندگی پیدا کی۔ خصوصاً جب
انہوں نے دیکھا کہ جون آف آرک بغیر اس کے کہ
کہ ذرا بھی ہچکچائے اور اس کے قدم کو کچھ بھی لغزش
ہو جھنڈے کو ہلاتی ہوں۔ سیڑھی لگا کے شہر پناہ پر
چڑھ گئی تو سب نے جان پر کھیل کے چاروں طرف سے
یورش کر دی۔

لیکن خود جون جب سیڑھی کے اوپر کے زینہ تک
پہونچی اور شہر پناہ پر قدم جمانے کو تھی۔ کہ ناگہاں
سیڑھی لڑھک کے نیچے آ رہی اور اس کے ساتھ ہی
جون آف آرک بھی کھائی کے اندر تھی گرنے میں کچھ
ایسی چوٹ آئی کہ جون کو غش آ گیا۔ مگر ہوش آتے
ہی اپنے آپ کو سنبھالا۔ اٹھ کھڑی ہوئی گرد جھاڑ کے
اوپر آئی اور فوج کو للکارا کہ "بہادرو! اسی حملہ پر لڑائی

ختم ہے۔ اور فتح تمھارے ہاتھ ہے! ان سحر آگین الفاظ نے سب میں کچھ بلا کا جوش پیدا کر دیا کہ سر ہتھیلیوں پر لے کے بڑھے اور آناً فاناً میں انگریزوں کو مغلوب کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد شہر انگریزوں کے قبضہ میں نہ تھا۔

اس معرکہ کے بعد انگریزوں کے حوصلے پست ہوگئے اور انھیں کلیتہً مایوسی ہوگئی چنانچہ ان کے سپہ سالار اعظم ٹالبوٹ نے خود ہی مصلحت دیکھ کے فرانس کے تمام شہروں پر سے اپنا قبضہ اٹھا لیا۔ اور سارے انگریزی لشکروں کو جو مختلف اطراف اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ یکجا کر کے دار السلطنت پیرس کا ارادہ کیا۔

دوسری طرف جون آف آرک برابر شکستیں دیتی اور فتحوں پر فتحیں حاصل کرتی بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اور اس کے مقابل کسی جگہ انگریزوں کا قدم نہ ٹکتا تھا آخر وہ شہر رائن پر پہونچی جہاں ۱۷ جولائی ۲۹ ۱۴ء کو اس نے بڑے ہی اہتمام اور نہایت تزک و احتشام سے شاہ چارلس کو تاج شاہی پہنایا۔ تاجپوشی کے وقت جون حسب معمول سفید لباس پہنے اور علم ہاتھ

میں لئے تخت کے آگے کھڑی تھی۔ بادشاہ کو تاج مقدس دین نے پہنایا۔ اور اس کی کمر میں تلوار جون نے اسے ہاتھ سے باندھی۔

ان سب باتوں کو وہ ایک عجیب خلوص اور جوش مسرت سے اپنے ایک دینی اور روحانی فرض کی طرح بجالائی اور جب تمام رسوم تاجپوشی ادا ہو چکے۔ تو اس پر ایک رقت کا عالم طاری ہوا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فوراً جھک کے چارلس کے قدموں سے لپٹ گئی۔ اپنے گرم آنسوؤں سے اس کے قدم دھوئے اور نہایت جوش کے ساتھ بولی "اب حضور کی فتح پوری ہو گئی۔ اور میں نے جو کہا تھا۔ کر دکھایا۔ بس اب مجھے آزاد کیجئے کہ خوشی خوشی اپنے گھر جاؤں اپنے اسی سنسان گاؤں اور گوشہ تنہائی میں بیٹھ کے چرخا کاتوں۔ اور باپ کی بھیڑیں چراؤں جس مشغلہ میں کہ میں اس سے پہلے مصروف تھی"

چارلس نے یہ کلمات سن کے کہا "بھلا اب میں اپنے اس حامی اور پشت پناہ قوم کو چھوڑ سکتا ہوں جس نے قوم کو ہلاکت سے بچایا ہے؟ اب ملک کی ترقی اور قوم کی بہبود تمھارے ہی دم قدم سے وابستہ ہے اور

مجھ سے نہ ہوگا کہ کامیابی کے بعد تمھارا دامن ہاتھ
سے چھوڑدوں !!
بادشاہ کا یہ جملہ ساری قوم کی آرزوؤں کا ترجمان
تھا۔ اس لئے کہ اب فرانس کی ساری خلقت کو جون سے
بے حد عقیدت تھی۔ اور سوا چند امرار اور فوجی افسروں
کے جن لوگوں کو جون کے ساتھ بغض وعناد تھا۔
سارے اہل فرانس جون ہی کی رفاقت میں اپنی فلاح
سمجھتے تھے۔ اس کے جھنڈے کے گرد انہیں تمام بزرگان
سلف اور ولیوں کی روحیں نظر آتی تھیں۔ بادشاہ
کے روکنے سے وہ رک تو گئی۔ مگر اسی گھڑی سے ایسا معلوم
ہوتا تھا۔ جیسے مسرت وشادمانی ہمیشہ کے لئے اس
کے دل سے رخصت ہو گئی۔ اور گویا وہ بالکل بدل گئی
اب اس میں نہ وہ قومی حمیت نظر آتی ہی اور نہ وہ
اگلی جوانمردی وشجاعت۔ نہ وہ رویائے صادقہ تھے
اور نہ وہ الہام اور روحانی مکاشفات۔ اس کی
سیرت وطبیعت اس کے اوضاع واطوار۔ اور اس
کے افعال واقوال میں ایسا حیرت انگیز انقلاب ہو گیا
کہ اس کی باتیں سن کے اور اس کی حالت دیکھ کے
لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ اب بجائے اس جوش اور

اولوالعزمی کے وہ طرح طرح کے اوہام اور رکیک خیالات میں مبتلا اور اپنی حالت پر آپ ہی متحیّر نظر آتی ہر وقت رویا کرتی اور جیسے وہ ساری قوت باطنی اس سے سلب ہو گئی تھی۔

مگر یہ مزاجی انقلاب دیکھنے پر بھی بادشاہ نے اسے اپنے پاس سے نہ جانے دیا اور آخر اُس نے رائن کے گرجے سے اپنے اسلحہ پھرلے کے جسم پر آراستہ کئے۔ شہسواروں کی وضع بنائی اور معرکہ آرائی کے لئے روانہ ہوئی۔ لیکن خرابی یہ تھی کہ ادھر تو خود جون اس طرح بدل گئی تھی۔ اور اُدھر اُمرائے فرانس کے دلوں میں اس کا بغض اور بڑھ گیا تھا۔ اس لئے کہ بادشاہ کو جون پر مہربان اور ہر بات میں اس کا مطیع فرمان دیکھ کے وہ آتش حسد سے جلے مرتے تھے وہ اس پر طعن و تشنیع کرتے روز اس پر جھوٹے اتہام لگاتے۔ اس کے کارناموں کو برائی کے لباس میں دکھاتے اسے بدنام کرتے۔ اور لشکریوں کو اس کی طرف سے بدظن کر کر کے نافرمانی اور سرکشی پر آمادہ کرتے۔ یہاں تک کہ اس کے دامن پر بدکاری کے دھبے لگانے میں بھی محسن کش امرائے فرانس نے دریغ نہ کیا۔ جون کا معمول تھا۔ کہ اب سوا

شریف و پاکدامن خاتونوں اور پاکدامن تنوں کے اور کسی کی صحبت میں نہ بیٹھتی کسی مرد سے خلا ملا نہ رکھتی معزز اور آبرو دار عورتوں میں اپنی راتیں بسر کیا کرتی۔ اور کسی کو اس پر الزام لگانے کا کوئی موقع نہ مل سکتا۔ مگر اس پر بھی بارطنیت اور ناسپاس امرائے فرانس نے اس کے بدنام کرتے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ وہ نہایت سختی کے ساتھ ان کے الزاموں کی تردید کرتی۔ مگر سچ یہ ہے کہ فرانس والوں نے اپنی افترا بندیوں اور ناحق شناسیوں سے اس کے بے لوث اور پاک و صاف دل کو بڑے بڑے چرکے دیئے اور جورت کی نیک نفسی اس مزاجی انقلاب کے بعد بھی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے ہاتھ سے کسی کو آزار پہونچانا نہیں گوارا کیا بادشاہ اور لشکری سب اس کے ساتھ تھے اور اس کے اختیار میں تھا کہ جس افسر کو چاہتی قتل کی سزا دلواتی یا ایک معمولی اشارے سے مروا ڈالتی۔ مگر اس سے یہ نہ ہو سکا کہ چاہے کیسا ہی دشمن اور اتہام لگانے والا ہو۔ اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اس بارے میں سخت سے سخت غصہ کے موقع پر بھی اس کی تسلیم و رضا میں فرق نہیں آیا۔

اب جون نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ خاص پیرس پر حملہ کرکے انگریزوں کو شکست دے اور فرانس کے دارالسلطنت کو اپنے قبضہ میں لائے اس ہدایت کے مطابق چارلس لشکر لے کے چلا - اور جون ہمراہ رکاب ہوئی تا برٹ تو رٹ کوچ کرکے شاہی پیرس کے گرد اترا - راستہ میں ہی کئی فتحیں ہوئیں - اکثر شہروں نے خود ہی سر اطاعت جھکا دیا۔ آخر شاہ چارلس کے اشارے سے اس نے بمقام سینٹ اونورے پر دھاوا کیا۔ جہاں کہ دشمنوں کا پڑاؤ تھا اگرچہ جون نے کبھی کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے نہیں قتل کیا۔ اور نہ کسی پر تلوار تیزے یا کسی حربہ سے وار کیا۔ مگر حملہ آوری میں ہمیشہ سپاہیوں سے آگے رہتی اور سب سے پہلے حریف کے قلعہ پر جا پہونچتی تھی - اسی میدان میں وہ کئی بار زخمی ہوکے گری اور غش آگیا اور ہر بار معمول تھا کہ جب غش سے سکون ہوتا اور ہوش وحواس بجا ہوتے تو بادشاہ سے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگتی مگر چارلس نے کسی طرح منظور نہ کیا اور آخر میں کہا" تمہارے اعلیٰ خدمات کے صلہ میں تمہارے گاؤں کی مالگذاری معاف کردی جائے

گی۔ اور کوئی بات اعلیٰ درجہ کی معزز خدمت تمہارے سپرد کیجائے گی۔ گو کہ ان وعدوں کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا مگر بادشاہ کے اصرار سے مجبوراً اسے شاہی رفاقت اور دربار داری کی زندگی اختیار کرنا ہی پڑی۔

اس کے بعد بہت سے واقعہ پیش آئے۔ جن میں اگرچہ کامیابی ہوئی مگر امرائے فرانس کی فتنہ پردازیاں اور جون کے بدنام کرنے کی کارروائیاں بدستور جاری تھیں۔ بلکہ روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ چارلس نے اس کے ذمہ یہ خدمت کی کہ فوج لے کے جائے اور انگریزوں کو شہر کوم پین سے مار کے نکال دے یہ شاہی حکم پاتے ہی وہ مسلح ہو کے روانہ ہوئی اور شہر پر پہونچ کے جوش و خروش سے حملہ کی تیاریاں کرنے لگی اس موقع پر فرانسیسی افسروں کی ناپاک سازشوں کا یہ اثر نمایاں ہوا کہ اس نے فوج کو حملہ کا حکم دیا اور یورش کرنے کے لئے بڑھی تو فوج والوں نے بجائے اس کے کہ اس کے حکم پر عمل کریں انحراف کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ وہ جون کی نسبت اہانت و اتہام کے الفاظ زبان پر لائے جون نے اپنی توہین کا تو کچھ خیال نہیں کیا مگر انہیں حملہ کیلئے ابھارا اور خود دشمنوں کی طرف بڑھی۔ اب وہ تنہا دشمنوں کی طرف بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اور گویا تن تنہا قلعہ پر قبضہ کرنے کی آرزومند تھی۔ مگر ہمراہیوں نے کسیطرح ساتھ نہ دیا۔

شکست کھا کے بھاگے۔ ناگہاں فرانسیسیوں ہی کے ایک گروہ نے جو انگریزوں کا طرفدار تھا۔ اُسے گھیر لیا۔ اور گھوڑے سے کھینچ کے گرفتار کر لیا اور کمال ناشکری و احسان فراموشی سے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ جو کہ جون کے خون کے پیاسے اور اُسے بڑی بھاری خطرناک جادوگرنی تصور کرتے تھے جون کی گرفتاری کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگ اس کی زیارت کو آنے لگے عوام میں تو ہمدردی کا جوش تھا۔ اور غربا اس کی اسیری پر آہ و زاری کر رہے تھے مگر امرائے فرانس کی یہ حالت تھی کہ گویا جون کے سب سے بڑے جانی دشمن وہی تھے۔ انہوں نے فوراً انگریزوں سے صلح کر لی۔ بلکہ اپنی عجیب و غریب بے نفس محسنہ کو ان کے حوالہ کر کے انکے مطیع فرمان بن گئے۔

اب علانیہ دھڑلے سے جون کی ہر بات پر اعتراض ہو رہا تھا اس کی ہر ایک کارروائی پر نکتہ چینیاں ہو رہی تھیں۔ اور اس کے طرح طرح کے نام رکھے اور اُسے ہر قسم کے الزام دئے جاتے تھے۔ اور وہ نہایت استقلال و جوانمردی سے بغیر اس کے کہ بتوریوں پر ذرا بھی میل آئے یا کسی قسم کے فکر ہی چہرہ سے ظاہر ہو اپنے قید خانہ میں خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اور تو اور قوم فرانس کی دنائت و ذلت کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا۔ کہ خود شاہ چارلس جسے اس نے بادشاہ بنایا۔ کمال ناشکری کے ساتھ اس کا دشمن تھا۔ اور

دیگر اُمرا کی طرح وہ بھی جون کے نام کی توہین کرتا اور اُسے طرح طرح کے عیب لگاتا تھا۔ پیرس والے جون کے سب سے زیادہ خلاف تھے اور انگریزوں کو بار بار اُبھارتے تھے۔ کہ جون زندہ نہ چھوڑی جائے اور اُسے نہایت ہی سخت سزا دی جائے۔ چنانچہ وہ اسیروں کی طرح فرانس کے قلعے جان دی لکس برگ میں رکھی گئی۔ انگریزی عدالت کے سامنے اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور شاہ انگلستان ہنری نے اس مقدمہ کی سماعت کے لئے دو جج مقرر کئے۔ اس مقدمہ کے دوران میں وہ ۱۶ مرتبہ اجلاس سامنے لاکے پیش کی گئی اور ہر بار اس سے عجیب استقلال ظاہر ہوتا تھا اور اور تمام الزامات کا وہ ایسا معقول جواب دیتی کہ کسی کو جواب دیتے نہ بن پڑتی۔ آخر جب اور کوئی الزام نہ عائد کیا جا سکا تو صرف اس بنا پر کہ وہ جادوگرنی ہے۔ اُسے حبس دوام کی سزا دے دی گئی۔ اور صرف روٹی اور پانی کی غذا مقرر ہوئی۔

اسی سلسلہ میں اس سے قسم کھلا کے عہد لیا گیا۔ کہ اب کبھی مردانے کپڑے نہ پہنوں گی اور یہ حلف لینے کے دو چار روز بعد یہ چال کی کی گئی۔ کہ جب وہ سونے کے کپڑے پہن کے سو رہی تو کسی نے چپکے سے جا کے۔ اس کے کپڑے غائب کر دیئے اور ان کی جگہ ایک مردانہ جوڑا رکھ دیا گیا صبح کو

جاگنے کے بعد جب اس نے خوابگاہ کے کمرے سے نکلنا چاہا تو مردانہ کپڑوں کے سوا اور کوئی لباس نہ ملا۔ مجبوراً انہیں کپڑوں کو پہن کے خوابگاہ سے نکلی۔ ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگوں نے نرغہ کیا کہ تم نے اپنی قسم اور اپنے عہد کے خلاف کیا اور اسی لباس میں اُسے حاکم کے سامنے پکڑ لے گئے۔ اور اس بات کی شہادتیں پیش کیں کہ اس نے پھر مردانے کپڑے پہنے اور حضور کے ملاحظے کے لئے ہم اسے مع اُس لباس کے لے آئے ہیں۔ مجسٹریٹ نے باضابطہ کارروائی کر کے عزیب جون پر دروغ حلفی کا جرم عائد کیا۔ اور اس کی سزا یہ تجویز کی کہ زندہ آگ میں جلا دی جائے جو کہ ان دنوں عموماً جادوگرنیوں اور ڈائنوں کی مروج سزا تھی۔ جون نے نہایت ضبط و تحمل اور صبر و استقلال سے یہ حکم سنا اور اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "تمہارے اس حکم کی اپیل اس خدائے عالم دانا کے عرش اعلیٰ کے سامنے پیش کروں گی"۔

اس قدر جلد قتل کی سزا کی زیادہ وجہ یہ بھی تھی کہ اگرچہ فرانس والوں نے گرفتار کر کے اسے انگریزوں کے حوالہ کر دیا مگر برابر اصرار کر رہے تھے۔ کہ اسے جلد قتل کی سزا دی جائے انگریزوں کو اگرچہ جون کی کوششوں سے بے حد نقصان پہونچ گیا تھا۔ اور سچ یہ ہے۔ کہ اگر جون آف آرک نہ اٹھ

کھڑی ہوئی ہوتی۔ تو اُنہوں نے پورا ملک فرانس فتح کر کے چارلس کو ہمیشہ کے لئے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہوتا۔ تاہم انگریز شاید بذات خود اُسے اس بے رحمی کی سزا نہ دیتے۔ مگر فرانس والوں کی ناشکری احسان فراموشی اور نالائقی و بے حمیتی نے انگریزوں کو مجبور کر کے ان کے ہاتھ سے ایک ایسا یادگار زمانہ ظلم کرا دیا جو خود اپنے طور پر ان سے نہ ہو سکتا تھا۔

اب اس کی سزا کی تعمیل کا اہتمام ہونے لگا۔ فرنچ امرا سنگدل اور بے رحم تماشائیوں کی طرح جمع ہوئے۔ فرانس کی بے بس رعایا اپنی بدبختی پر روتی اور آنسو بہاتی ہوئی جمع ہوئی ایک بڑی بھاری چتا بنائی گئی۔ اور اس پر جون لا کے کھڑی کر دی گئی کہتے ہیں کہ موت کی اس نازک گھڑی میں اس کے ہاتھ سے صبر و تحمل کی باگ نکل گئی۔ خوبصورت اور نازک چہرے پر بجائے متانت و استقلال کے حسرت برس رہی تھی۔ اور بار بار لبوں سے آہ نکل جاتی تھی پھر جب چتا میں آگ لگا دی گئی۔ اور شعلے اس کے قریب پہونچے اور اس کے پنڈے میں چرکے دینے لگے۔ تو وہ ایسی درد بھری آواز میں چیختی۔ اور اس حضرت رب العزت کی درگاہ میں فریاد کرتی تھی کہ پتھر کا کلیجہ موم ہوا جاتا تھا۔ عام تماشائی زار و قطار رو رہے تھے مگر نہ اثر ہوتا تھا تو بے رحم امرائے فرانس کے دلوں پر۔

یہ ایسا حسرت ناک اور جگر پاش پاش کرنے والا منظر تھا کہ دشمنوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ خود کارڈنل بونو (نائب پوپ) جو تعمیل حکم کرانے کے لئے آیا تھا۔ اس کے دل پر بھی خدا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایسی پیاری صورت کے دم بھر میں مٹا دینے کا اس قدر اثر ہوا کہ اس منظر کو نہ دیکھ سکا اور ادھر سے منہ پھیر لیا۔ اور اس کی آنکھوں سے ایک سیلاب جاری تھا جس چتا پر باندھ کے جون جلائی گئی۔ وہ اتنی بلند تھی کہ اگر کسی میں کسی قسم کا ہمدردی کا جوش بھی پیدا ہوتا تو وہ اس کی کچھ مدد نہ کر سکتا۔ آخر دم بھر میں شعلوں نے اس کی سینہ شگاف چیخیں موقوف کر کے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کیا۔ پھر اُسے جلا کر خاک کر دیا۔ اور جلنے کے بعد اس کی خاک دریائے سین کے اوپر ہوا میں اڑا دی گئی۔ تاکہ اس کے جسم کا ذرہ بھی کسی کے ہاتھ نہ آسکے لیکن اس کے عہد کے سنگدل بے عقلوں نے اس کی فانی تصویر تو مٹا دی۔ مگر اس کے روشن نام کا مٹانا امکان سے باہر تھا۔

بے گناہی کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوتی ہی ہے اور ظالموں کو اپنا ظلم ضرور محسوس ہو جاتا ہے مگر اسوقت سوا پچتانے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ جون آف آرک کے جلائے جانے کے ۲۰ برس بعد پیرس کے بشپ (لاٹ پادری) اور نیز رومۃ الکبریٰ کے بشپ نے آزادی سے یہ فتویٰ جاری کیا کہ جون کے حق

میں جو فیصلہ کیا گیا۔ وہ غیر منصفانہ اور سراسر ظالمانہ تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی فرانس کے ادنیٰ و اعلیٰ سب لوگ جون کے بیگناہ قتل کئے جانے پر بچتانے اور کف افسوس ملنے لگے۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا تھا فرانس والوں کو اپنے دامن پر اس یادگار زمانہ خون ناحق کا دھبہ زیادہ اُبھرتا نظر آتا تھا اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ اس ناحق شناسی کے بار کو اپنے سینہ پر سے کیونکر ہٹائیں؟ آخر ۱۸۲۰ء میں جون کے وطن ڈومری میں اس کی ایک سنگین مورت بنا کے نصب کی گئی پھر دوسری مورت خاص اس مقام پر بنا کے قائم کی گئی۔ جہاں وہ چتا پر رکھ کے جلائی گئی تھی اس کے چند روز بعد ایک مورت خاص پیرس میں ایک عمدہ موقع پر کھڑی کی گئی۔ جو اس کی سب مورتوں سے زیادہ عمدہ اچھی اور مکمل تھی اس کے بعد ۱۸۵۱ء میں شہر اورلیان والوں نے جن کے علاقہ میں جون کا وطن ڈومری واقع تھا۔ اپنے وہاں اس کی ایک مورت بنا کے قائم کی۔ اور ہر سال ۸ مئی کو اس کی یاد تازہ کرنے کے خیال سے ایک میلہ کرنے لگے۔ جو آجتک جاری ہے اس موقع پر جلسے کئے جاتے اور انمیں ان ظالموں کی مذمت و ہجو میں پرجوش و

پر سوز نظمیں پڑھی جاتیں۔ جنھوں نے کمال سنگدلی سے اس سچی حامیۂ وطن کو اس بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا اس سلسلہ کے جاری ہوتے ہی اس کی مظلومی کی تصویر دکھانے کے لئے ڈراما تصنیف ہوئے اور وہ یورپ کے تھیٹروں میں دکھائے گئے۔ ناول شائع ہوئے۔ اور ہر طرف سے اس سچی، پاک نفس حامیۂ وطن کی طرفداری میں آوازیں بلند ہوئیں۔ یہاں تک کہ ساری دنیا نے تسلیم کر لیا کہ جون نہایت ہی پاک دل اور سچی شہید قوم تھی۔ اور اس کے قتل کرنے والے بدترین ظالم و سنگدل۔

چھٹی حسینہ

بوادیقیا اور قارطس مانڈوا

انگلستان کی تاریخ کا آغاز ان دو ملکاؤں کے کارناموں سے ہوتا ہے۔ جنھوں نے اپنی رعایا کو اپنے حسن کے دام گلوگیر میں اسیر کر کے انسے جو اور جیسا کہ کام چاہے لیا۔ ان میں سے

اول الذکر یعنے ملکہ بوادیقیا (جس کے نام کا تلفظ انگریزی میں فی الحال بوڈیشیا کیا جاتا ہے) نہایت ہی شریفانہ طرز عمل رکھنے کے باعث دنیا میں سچی شجاعت و حمیت اور اعلی درجہ کی قومی و ملکی محبت کا جوش دکھا گئی اور دوسری یعنے قارطس ماندواجکے نام کا تلفظ فی الحال کارٹسمانڈوا کیا جاتا ہے اپنی مذکورہ ہم رتبہ بہن کے خلاف نہایت بے حمیت و بے غیرت اور بے عصمت و بے عفت تھی جو بے وفائی و بے عصمتی کا شرمناک ترین نمونہ دکھاکے اور ابدی بدنامی حاصل کرکے دنیا سے رخصت ہوئی۔ لیکن ہمیں یہ خیال کرکے یہ افسوس آتا ہے کہ پہلی جو اچھی تھی وہ دنیا سے ناکام و نامراد گئی۔ اور دوسری ناپاک جرم کی سزا سے بچ جانا درکنار اپنے مقاصد میں کامیاب و بامراد ہوئی۔

ملکہ بوادیقیا کی سرگذشت یہ ہے کہ اس کا شوہر پراسوطاغوس (پراسوٹیگس) انگلستان کے علاقہ اقینی کا بادشاہ تھا جو علاقہ کہ اب نارفولک کے نام سے ہے ان دنوں انگلستان میں چونکہ رومیوں کا اثر بڑھ رہا تھا۔ اور وہاں کی قومی قوتیں رومی اسلحہ سے مرعوب ہو ہو کے فنا ہوتی جاتی تھیں اس لئے پراسی طاغوس نے وصیت کردی کہ میرے مرنے کے بعد میری حکومت و سلطنت کے وارث شہنشاہ روم اور میری بیٹیاں ہوں۔ اس وصیت میں اس کی یہ مصلحت تھی کہ شہنشاہ روم تو انگلستان میں آکے میری

قلمرو پر قبضہ کرنے سے رہا۔ میری بیٹیاں ہی مالک ہونگی اور شہنشاہ کے تعلقات کی وجہ سے وہ ہر طرح کی دشواریوں سے محفوظ اور تمام بیرونی حملوں سے مامون ہو جائیں گی اور کسی پاس پڑوس والے فرماں روا یا کسی رومی سپہ سالار کی اتنی جرارت نہ ہو سکے گی کہ میری قلمرو کو نگاہ اٹھا کے بھی دیکھ سکے۔

لیکن اُس کی امید کے خلاف یہ الٹا نتیجہ ظاہر ہوا کہ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی رومی سپہ سالار نے اس کے شہر اور محل پر قبضہ کر لیا رومی سپاہیوں نے سارے شہر اور محل میں لٹس مچا دی جو ہاتھ آیا اپنا مال سمجھ کے لوٹ لے گئے اور اسی قدر نہیں بوادیقیا کی ناز پروردہ شاہزادیوں کو بھی جو شریک وراثت قرار دی گئی تھیں نہایت بے رحمی کے ساتھ بے آبرو کیا۔ بلکہ بوادیقیا نے اس پر اظہار ناراضی کیا تو اس غریب کو پکڑ کے سربازار خاص اس کی رعایا کے سامنے کوڑوں سے مارا۔ اور تحقیر و تذلیل کی کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔

رومی جب لوٹ مار کے اور ہر طرح کی بے حرمتیاں کر کے واپس گئے تو بوادیقیا نے اپنی رعایا کو رومیوں کی مخالفت پر ابھارا رومیوں نے اس موقع پر کچھ ایسی بے رحمی اور دغابازی سے کام لیا تھا کہ ساری رعایا طیش میں بھری ہوئی تھی اور جتنے آدمی تھے اگرچہ جانتے تھے کہ رومیوں سے مقابلہ کرنا جنوں اور ان کے مقابل ہتھیار اٹھانا

خود کشی ہے اپنی ملکہ کی صدائے فریاد سنتے ہی لڑنے مرنے اور جان دینے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ بواد یقیا ان سب کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے اور قومی اسلحہ سے مسلح کر کے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مردانہ وار چلی۔ اور رومیوں کے قلعہ قمالودونم پر جو اب کال چسٹر کے نام سے مشہور ہے دھاوا کر دیا۔ رومیوں نے پوری قوت سے مقابلہ کیا اپنے سمجھے ہوئے اصول جنگ کے مطابق صفیں باندھ کے بڑھے مگر برطانیہ والوں کے پرجوش سیلاب کا روکنا دشوار تھا۔ ہزار کوششیں کیں کسی طرح کامیاب نہ ہوئے۔ آخر شکست کھا کے بھاگے۔ اپنی دغابازی و بے ایمانی کے پاداش میں نہایت ہی بودے پن کے ساتھ مارے گئے اور بواد یقیا نے مذکورہ رومی قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس فتح نے اس برطانی ملکہ کا حوصلہ بڑھا دیا۔ فوج درست کرنا شروع کی۔ ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ روسیوں کی شائستگی و تہذیب کو توان کے ظالمانہ و وحشیانہ حرکات سے پہلے ہی دھبہ لگ گیا تھا اب ان کی سپہگری و شجاعت بھی خاک میں مل گئی اور ان کے نام کو ایسا داغ لگا جو کسی طرح مٹائے نہ مٹتا تھا آخر زبردست رومی سپہ سالار سویطونیوس جو شمالی انگلستان کی قوتوں کی پامالی میں مصروف تھا اپنا جرار لشکر لے کے آیا۔ اور بواد یقیا کو اس کے مقابلہ میں صف آرا ہونا پڑا۔ اس

زبردست لشکر سے مقابلہ کرنا برطانیوں کی قوت سے باہر تھا اگرچہ جان پر کھیل کے لڑے اور دیر تک ملکہ کے اشاروں پر جو قلب فوج میں موجود تھی اور تلوار کو حرکت دے دیکے انھیں حوصلہ دلا رہی تھی وہ بڑھ بڑھ کے اپنے سر کٹواتے رہے مگر آخر کار شکست ہوئی بدحواس و بددل ہو کے بھاگے۔ بہادر ملکہ بوادیقیا کو بھی مجبوراً میدان چھوڑنا پڑا۔ اور اسی میدان پر اس بہادر ملکہ کے کارناموں کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے انجام کی نسبت مورخین میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ عین معرکہ کارزار میں بہادری کے ساتھ لڑتی ہوئی ماری گئی اور بعض کا بیان ہے کہ اپنی جان لے کے میدان سے نکل آئی تھی مگر ناکامی کی زندگی کو اس کا شریف نفس نہ گوارا کر سکا۔ گھر آتے ہی زہر کھا کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جو اُن دنوں رومیوں کے نزدیک ہی نہایت شریفانہ اور مبارک موت تھی بوادیقیا کی زندگی کا خاتمہ سنہ ۵۱۰ قبل محمد سنہ ۶۱ء میں ہوا۔

قارطس ماندوا۔ دوسری بدکار انگلش ملکہ بھی قریب اسی زمانے میں یعنے جناب سرور کائنات علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً پانسو برس پیشتر یا پہلے صدی عیسوی میں تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی وارث سلطنت اور مالک تاج و سریر وہی تھی اور اس کا شوہر دینوطیوس اس کی طرف سے نیابۃً حکومت

تھا۔ لیکن اپنی نیک نفسی و شجاعت سے سارے ملک میں ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔ کل فوج والے اس کا دم بھرتے تھے۔ اور ہر سپاہی اس کے نام پر شیدا تھا۔

مگر خرابی یہ تھی کہ میاں کو رعایا کے خوش رکھنے اور ملک میں عدل و انصاف کرنے کا شوق تھا تو بادشاہ بیگم بی کارٹسمانڈوا کو نفس پرستی اور اپنے دل کی ہوسین نکالنے کا تھا انہیں اپنے عیش و آرام اور شہوت پرستی کے سوا اور کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ انھیں بے باکانہ شہوت رانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے اسلحہ بردار ویلو قاطوس سے آنکھ لڑ گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کی محبت دم بھرنے لگے۔ دنیوطیوس بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزرنے لگی۔ اور انسدادات کی تدبیریں سوچنے لگا۔ کہ کیونکر اپنے رقیب کو زک دے جو بستر عیش کا مالک بن کے اس کی زندگی کو روز بروز زیادہ بدمزہ کرتا جاتا تھا۔

وہ ان منصوبوں کو دل میں سوچتا ہی رہا اور بی بی نے اپنے حقوق و اقتدارات شاہی کو عمل میں لاکے اُسے بالکل چھوڑ دیا۔ اور علانیہ ویلو قاطوس کا آغوش گرم کرنے لگی۔ اس وقت تک برطانیہ والوں نے دین مسیحی نہیں اختیار کیا تھا۔ اپنے قدیم بت پرستی کے مذہب پر تھے اور اس وقت کے آئین و رسوم کے مطابق شاید عورتوں کو اس بات کا حق حاصل ہو کہ شوہر کو جب چاہیں چھوڑ دیں اور جس

کسی کو پسند کریں اس سے آشکارا طور پر تعلقات پیدا کرلیں۔ لیکن جو ہو برطانی لوگوں نے اپنی ملکہ کے اس فعل کو پسند نہیں کیا پہلے اسے سمجھایا اور روکا اور جب اس نے کسی طرح نہ مانا بغاوت کردی۔ اور ارادہ کیا کہ قارطس مانڈوا کو تخت سے اتار کے کسی اور کو اپنا فرمان روا بنالیں۔

رعایا کو برہم و افروختہ دیکھ کے ملکہ نے رومیوں سے مدد مانگی جو طرح طرح کے بہانے اور حیلے پیدا کرکے سارے جزیرے میں اپنی حکومت قائم کرتے جاتے تھے۔ اس سے بہتر اور کون موقع ہو سکتا تھا فوراً زبردست رومی لشکر ملکہ کی کمک کے لئے آپہونچا۔ جسنے آتے ہی تمام سرکش برطانیوں کو مار کے سیدھا کردیا اور رعایا کے بعد خود ہی سلطنت کے بھی مالک ہوگئے۔

رومیوں کی مدد سے قارطس مانڈوا کو شاید اپنے محبوب آشنا سے ملنے کی آزادی مل گئی ہو۔ مگر سلطنت پھر نصیب نہیں ہوئی اور رومیوں کی گرفت ایسی قوی تھی کہ اسی وقت سے اس پرانے خاندان حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

ناظرین تھوڑی اسلام کی جھلک بھی
دیکھ لیں

ساتویں حسینہ

ایڈلین

اس کے تسلیم کرنے میں کسی واقف کار کو بمشکل تامل ہو سکتا ہے کہ دمشق اور بغداد کی خلافتوں میں دربار خلافت نے بعض مغنیوں اور مغنیہ عورتوں کی جیسی قدر کی ویسی قدر اس لطیف فن کے ماہروں کی دنیا کا کوئی دربار نہیں کر سکا ہے مگر یورپ کی نامور مغنیہ ایڈلین کو البتہ سلاطین یورپ نے جو عزت دی وہ شاید دنیا کی کسی گانے والی کو نہ نصیب ہو سکی ہو گی۔

ایڈلین کا نشو و نما بچپن ہی سے یورپ کے کانسرٹون (محفل ہائے طرب) میں ہوا تھا اس کے ساتھ اس کے حسن و جمال اور اس کی دل میں اتر جانے والی آواز نے اس کے اس کمال میں اور جان ڈالدی چند ہی روز میں یہ حالت ہو گئی کہ ممالک یورپ کوئی شخص نہ تھا جو اس کے گانے پر نہ فریفتہ ہو بلکہ

کی عام قدردانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس کی آمدنی روز بروز ترقی کرنے لگی اور چند سال میں اس کی سالانہ آمدنی دس لاکھ فرینک ہوگئی۔

مگر وہ خصوصیت جسنے اس سحر آفرین مغنیہ کو دنیا بھر کی گانے والیوں سے ممتاز کردیا یہ تھی کہ بڑے بڑے زبردست شہنشاہان یورپ اس کے حد سے زیادہ گرویدہ تھے اور انتہا سے زیادہ اس کی عزت کرتے تھے۔ ایڈلین نے اپنی وضع یہ رکھی تھی کہ جب نظر آتی اس کے ہاتھ میں ایک قسم انوکھی پنکھیا ہوتی جو اس کے ساتھ مخصوص تھی اور کسی اور خاتون کے ہاتھ میں نہیں دیکھی گئی تھی۔ شاہان ارض میں سے جس کسی نے اس کی تعریف کرنی چاہی تو اس نے اپنی وہی پنکھیا بڑھا دی کہ اس پر لکھدیجئے اور اس فرمانروانے اس پر اپنے جذبات دلی اپنے قلم سے لکھدئے چند روز میں یہ پنکھیا تحریر سے بھر گئی اور کوئی تاجدار نہ تھا جس کے ہاتھ کا خط اس عجیب وغریب پنکھیا پر موجود نہ ہو جسمیں سے چند اہم تحریروں کو ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں زار روس نے لکھا کسی چیز سے وہ تسکین نہیں ہوتی جو تمھارے گانے سے ہوتی ہے قیصر جرمنی نے اس مغنیہ کی جانب خطاب کرنے کی شان سے الفاظ لکھدئے تھے۔ "تمام زمانوں کی بلبل کو میرا سلام" ملکہ اسپین نے لکھا تھا: "ایک ملکہ عصر کو (مجھے) اس پر ناز ہوگا کہ تم اسے اپنی رعایا

میں شامل خیال کرو۔" ہماری نیک نفس اور ہر دلعزیز ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے اپنے دستخط سے اس پنکھیا پر یہ الفاظ لکھے تھے "شاہ لبار کے یہ کلمات کہ آواز شیریں خداداد ہے" اگر سچ ہیں تو اے میری پیاری ایڈلین تم ساری عورتوں سے بڑی ہوئی مغنیہ ہو ان کے فرمانروایان ارض کے علاوہ شہنشاہ اسٹریا اور ملکہ ایزابلا کے ہاتھ کی تحریریں بھی اس پنکھیا پر موجود تھیں اسیطرح ملکہ بلجیم نے بھی اپنے خیالات ظاہر کئے تھے ایڈلین کی اس پنکھیا کے بیچ میں یہ الفاظ لکھے تھے "اے ملکہ طرب میں تیری طرف اپنا شوق کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ ان لفظوں کا لکھنے والا دولت جمہوریہ فرانس کا پریسیڈنٹ پیٹرس تھا۔

ان تحریروں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو عزت و حرمت اور جیسی مرجعیت عامہ اس مغنیہ کو حاصل تھی دنیا کی کسی عورت کو شاید ہرگز نہ نصیب ہوئی ہوگی۔ جن فرمانرواؤں اور تاجداروں کو حضوری حاصل ہونا بڑے بڑے امیروں اور قابل لوگوں کے لئے مایۂ افتخار تھا وہ سب اس خاتون سے ملنا اس سے ملاقات پیدا کرنا اور اس کو دوست بنانا اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتے تھے۔

ایڈلین کے زیادہ حالات نہیں معلوم ہو سکے مگر مصر کی قابل مصنفہ عائشہ خانم کے ذریعہ سے ہمیں اسی قدر واقعات معلوم ہوئے جو اس کے حسن و صورت نہیں تو حسن صورت کے کرشمے ظاہر کرنے کے

لئے بخوبی کافی ہیں لیکن ہم اس کے ساتھ اتنا اور کہنا چاہتے ہیں کہ سلاطین یورپ کا یہ برتاؤ دراصل اس عہد کی جمہوریت کی برکت ہے جس نے تاجداروں کو فقط اس کام کا باقی رکھا ہے کہ حکمرانی کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کے فقط حسن کی قدردانی کیا کریں۔

آٹھویں حسینہ

جنفیاف

یہ فرانس کی ایک نہایت ہی نامور شریف و پارسا اور نیک نفس و دلربا خاتون تھی۔ ڈیوک آف برائنٹ کی بیٹی تھی اور ۶۸۰ء میں بعہد یزید بن معاویہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دو ایک سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ حسن و جمال نازنینی ناز آفرین۔ رعنائی و دلربائی ہیں ان دونوں فرنگستان میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی اور ان خوبیوں کے ساتھ آواز ایسی دلکش

اور باتیں ایسی پیاری تھیں کہ معلوم ہوتا باتیں نہیں کرتی جادو کررہی ہے۔ جس کسی سے وہ باتیں کرلیتی بے اختیار کہنے لگتا۔ "کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے"

بالاتیں کے نواب سنگریڈ سے ملاقات ہوئی دونوں میں محبت کے پینگ بڑھے اور آخر سنہ ۷۰۰ء میں جبکہ نازنین جنفیاف کا سن اٹھارہ (۱۸) برس کا تھا شادی ہوگئی۔ شادی کو ابھی پورا ایک برس نہیں گزرا تھا کہ چارلس مارٹل نے فرانس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچانے کے لئے فوج جمع کی اور اس کے شوہر سے خواہش کی۔ کہ ایک فوج کی سرداری وہ بھی قبول کرے۔ سنگریڈ کا دل قومی و مذہبی جوش سے لبریز تھا۔ اور اس زمانے کے نامور بہادروں میں تھا۔ اس مسیحی مجاہد کی درخواست خوشی سے قبول کرلی اور چارلس مارٹل کے ہمراہ مسلمانوں کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ اور اپنے نائب الریاست گولو کو تاکید کرگیا کہ خبردار جنفیاف کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے ہمیشہ اس کی خدمت میں مصروف رہنا اور وہ جس بات کا حکم دے اس کی فوراً تعمیل کرنا

بدنفس گولو جنفیاف کی صورت زیبا پر فریفتہ اور اس کا عاشق ہوکر ناجائز ہوسیں کرنے لگا مگر جنفیاف کو دیکھا تو نہایت عفیفہ و پاک دامن پایا۔ پہلے خوشامد درآمد سے پھر مکر و فریب سے اور اس کے بعد ڈرا دھمکا دے کے اپنی ہوس پوری کرنی چاہی

مگر کسی طرح زور نہ چلا۔ اور ثابت ہو گیا کہ حنفیات کا حسن ایسے آہنی قلعہ میں محفوظ ہے جس کے کنگروں کو کسی کی ہوس کی کمند نہیں پا سکتی اپنا ولی عہد بنا دیا۔ مگر سلطنت اس کی تقدیر میں نہ تھی۔ فیروز شاہ کا بھائی خانخانان اس کی زندگی ہی میں بادشاہ بن گیا۔ بیٹے کی محبت میں بادشاہ بھائی کا دشمن ہو گیا اور خود فوج لے کر اس کے سامنے صف آرا ہوا۔ فیروز شاہ ان دنوں سخت بیمار تھا۔ اثنائے جنگ میں اتفاقاً اُسے غش آ گیا لشکر میں اس کی موت کی خبر اڑ گئی۔ اور خود اس کی فوج والے اس کا اور ولی عہد کا ساتھ چھوڑ کے خانخانان سے جا ملے۔ ہوا کا رخ پلٹا دیکھ کے حسن خان اور دیگر سردار بادشاہ کے میانے کو قریب کے ایک قلعہ میں لے گئے اور خانخانان نے بڑھ کے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

اب فیروز شاہ کو ہوش آیا اور واقعات جنگ سے تو اپنی بے دست و پائی پر متعجب ہوا۔ فرزند سے کہا بیٹا میں نے بہت چاہا مگر اس کو کیا کروں کہ سلطنت تمہاری قسمت ہی میں نہیں ہے اب بھائی سے لڑنا قسمت سے لڑنا ہے۔ قلعے کے پھاٹک کھول دو اور خانخانان سے کہو کہ فاتحانہ شان سے اندر آئے۔ اس حکم پر عمل کیا گیا۔ اور خانخاناں آ کے صاحب تاج و سریر بھائی کے سرہانے کھڑا ہو گیا بیمار و ناتواں بادشاہ سرکش بھائی کی صورت دیکھتے ہی زار و قطار

رونے لگا۔ اور کہا "تاج و تخت تمہیں مبارک۔ محبت پدری کے تقاضے سے میں نے اپنے فرزند کے لئے ولیعہدی کی کوشش کی مگر چونکہ یہ خدا کو منظور نہ تھا اس لئے ناکام و نامراد آیا۔ بس اب آج سے تم ہی صاحب تاج و دیہیم ہو اور میں اپنے فرزند حسن خان اور تمام رعایا کو تمہارے سپرد کرتا ہوں"۔

شاہی دن یعنے ۵ رشوال ۸۲۵ھ ہجری خانخانان نے تاج شاہی سر پر رکھا اور "احمد شاہ بہمنی" کے لقب سے حکومت کرنے لگا۔ دس دن بعد یعنے اسی مہینے کی ۱۵ رتاریخ فیروز شاہ نے دنیا کو رخصت کیا۔ اور اس کی وصیت کے مطابق نئے فرمانروا احمد شاہ بہمنی نے سوچنا شروع کیا کہ بھتیجے یعنے حسن خان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ بعض مشیروں نے رائے دی کہ اس شاہزادے سے مطمئن نہ رہنا چاہیے اسے یا تو قتل کرنا چاہیئے یا اس کی آنکھیں نکلوا دی جائیں۔ مگر احمد شاہ نے اس صلاح کو نہ مانا بلکہ بھتیجے کو پانصدی عزت سے سرفراز کیا۔ اس کے دریائے تنگ بھدرا کے کنارے قلعہ فیروز آباد اسے بطور جاگیر عطا کیا۔ اور کہا "اس خوش سواد قلعے میں جس کی فضا میں تنگ بھدرا نے جان ڈال دی ہے۔ بیٹھ کے تم عیش کرو۔ اپنی محبوبہ کے حسن سے لطف اٹھاؤ۔ قلعے کے برجوں سے عالم کی بہار دیکھو۔ سیر و شکار کا شوق ہو تو گرد و اگرد دو دو فرسخ جا کے لطف شکار اٹھا سکتے

اور جس کی دیوار میں سیند دینا محال ہے۔

جب کسی طرح زور نہ چلا تو گو لو دشمنی پر آمادہ ہوگیا اور اس کے شوہر کونٹ بالاتین کو میدان جنگ میں لکھ بھیجا کہ میں آپ کی ہدایت کے مطابق ملکہ کی خدمت گذاری اور حفاظت کرتا ہوں۔ مگر اون کا چال چلن اور طرز عمل ایسا ہے کہ حفاظت غیر ممکن ہے اور مجھے شرم وندامت سے لکھنا پڑتا ہے کہ باوجود میری ہر طرح کی نگہبانیوں کے وہ اپنے ناجائز دوستوں سے ملنا نہیں چھوڑتیں اور قیامت کہ حاملہ اور عنقریب حرام کا بچہ ہونے والا ہے" اس ظالم اور مفتری نائب نے اس کے شوہر ہی کو نہیں لکھا بلکہ سارے فرانس میں یہ خبر مشہور کردی اور ہر ادنیٰ واعلیٰ کی نظر میں اس نیک وپاک دامن حسینہ کو بدنام کردیا

شوہر بالکل سادہ لوح اور بے عقل تھا۔ وزیر کے لکھنے کا یقین کرلیا۔ اور اپنے ایک معتمد علیہ شخص کو بھیجا کہ جاتے ہی بلا تامل میری بیوی اور اس کے لڑکے کو اگر پیدا ہوا ہو جنگل میں لیجا نا اور قتل کرکے دفن کردینا۔ وہ شخص آیا۔ اور چند روز کے بعد واپس جاکے خبر کی کہ دونوں کو قتل کرڈالا۔ اس خبر سے اگرچہ کونٹ کو وقتی تسکین سی ہوگئی۔ مگر ایسی اچھی پری جمال وحور خصال بیوی سے زندگی بھر کے لئے محروم ہوجانے کے خیال سے ہر وقت دلپر ایک کوفت رہتی ہے:۔

لڑائی کے ختم ہونے کے بعد کونٹ گھر میں آیا۔ مگر کون گھر جو انیس زندگی سے خالی تھا اور کاٹے کھاتا تھا۔ ملکہ کی خادماؤں اور انیسوں جلیسوں سے معلوم ہوا کہ فلاں شخص آپ کا بھیجا ہوا آیا تھا وہ ملکہ اور اس کے بچے کو جو آپ کا نہایت ہی خوبصورت فرزند تھا ساتھ لے گیا اور پھر پتہ نہ لگا کہ دونوں ماں بیٹے کیا ہوئے" اس نے کہا "اچھا ہوا کہ دنیا اس زانیہ عورت اور اس کے حرام کے بچے سے خالی ہو گئی" یہ سنکر وہ سب عورتیں رونے لگیں اور سب نے کہا "آپ کو فریب دیا گیا ہے آپ ان کو حاملہ چھوڑ گئے تھے۔ چند روز بعد ایسا اچھا ولی عہد ریاست پیدا ہوا کہ ریاست کی ساری رعایا خوش ہو گئی۔ مگر آپ کے نائب کی یہ حالت تھی کہ جس دن سے آپ گئے اسی روز سے وہ ملکہ کی آبرو لینے کے درپے ہو گئے۔ پہلے خوشامدیں کرنا اور لبھانا شروع کیا۔ پھر مکاری اور فریب سے ان کو دام تزویر میں پھانسنے لگے مگر پاک دامن ملکہ کے دل پر مطلق اثر نہ ہوا۔ تب وہ دھمکانے لگے کہ تم کو ساری دنیا میں بدنام کر دوں گا اور خود تمہارے شوہر کو تمہارا دشمن بنا دوں گا۔ اس کی بھی انہوں نے پروا نہ کی اور ہم جانتے ہیں کہ انہیں کی سازش سے وہ غائب بھی ہو گئیں +

یہ واقعات سنتے ہی کونٹ کے ہوش اڑ گئے اور لوگوں سے اس بیان کی تصدیق کی اور آخر اپنے کئے پر پچھتانے اور کف

افسوس ملنے لگا۔ اب اس کی یہ حالت ہوگئی کہ خود اپنا دشمن تھا خودکشی پر آمادہ ہوگیا۔ مکان میں وحشت ہونے لگی تو شہر کے گلی کوچوں کی خاک چھانی۔ وہاں بھی کسی جگہ دل نہ لگا۔ تو آبادی کے باہر جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح پھرنے لگا آدمیوں کی صورت سے وحشت ہوتی اور کہتا کہ انسان سے زیادہ بیرحم و سنگدل کوئی نہیں۔ میرا انتقام اکیلے وزیر و نائب کے مار ڈالنے سے نہیں مل سکتا۔ بس میری تسکین دو ہی طرح سے ہوسکتی ہے۔ یا سب آدمیوں کو مار ڈالوں یا سب سے قطع تعلق کرلوں +

اس خیال کا یہ اثر تھا کہ صبح ہوئی اور جنگل کی راہ لی۔ جہاں ہر کنج میں اور ہر درخت کے نیچے کھڑے ہوکر آنسو بہاتا۔ ایک دن جنگل میں پھر رہا تھا کہ دور پر ایک عورت دکھائی دی جو اسی کی طرف بڑھتی چلی آتی تھی۔ ذرا نزدیک ہوئی تو چونک کے بولا "یہ تو میری حنفیاف ہے۔ مگر وہ کہاں؟ وہ تو کبھی کی مرچکی"۔ عورت اور قریب ہوئی تو گھبرا کے کہنے لگا "مگر یہ تو وہی ہے! یقیناً وہی ہے!" آہ! اب میں سمجھا کہ اس کی روح آئی ہے کہ مجھے لعنت ملامت کرے اور میرے ظلم و ستم کا مجھ سے بدلہ لے بیشک میں اسی کا مستحق ہوں" اور چلا چلا کے اور رو رو کے کہنے لگا "ہاں پیاری حنفیاف میں اسی کا مستحق ہوں آ۔ آ پاس آ مجھے گالیاں

دے۔ مجھ پر لعنت کر۔ بلکہ مجھے مار ڈال" اب جنفیاف اس قدر نزدیک تھی کہ یہ الفاظ اس نے بخوبی سن لئے اور بیتابی کے ساتھ بولی "نہیں نہیں میں نہ گالیاں دوں گی نہ لعنت کروں گی نہ ماروں گی بلکہ میں اب بھی ویسی ہی تمھاری صورت کی عاشق اور وفادار بیوی ہوں۔ تم کو بدگمانی ہو۔ مگر میری محبت بدگمانی سے خالی اور بیوفائی کی نجاست سے پاک ہے" یہ کہتی ہوئی حسفیاف آکر سامنے خاموش کھڑی ہو گئی اور کوئنٹ کی یہ حالت تھی کہ زبان بند تھی اور کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا۔

آخر دل مضبوط کر کے کوئنٹ نے کہا "اگر جنفیاف میں تیرے قابل نہیں تیرا حسن باغ عدن تھا اور میں سانپ بن کے آیا اور اسے ہاتھ کھو دیا تو باوفا تھی اور میں بیوفا ہوں، تیرے دل میں محبت تھی اور میں بدکار رد گنہگار رہوں!"

جنفیاف تم چاہے جیسے ہو مگر میں تمھاری ہوں اور شادی کے روز جو عہد کیا تھا۔ اس پر آجتک قائم ہوں اور زندگی بھر قائم رہوں گی۔

کوئنٹ (حیرت سے) "زندگی بھر قائم رہوں گی تو کیا تم ابھی زندہ ہو اگر یہ ہے تو میں بڑا خوش نصیب ہوں!"

جنفیاف ہاں میں زندہ ہوں۔ مگر تم کو یہ سنکر افسوس ہو گا کہ میں زندہ بچ گئی۔ آؤ اب تم اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالو

اور یہی میری تمنا بھی تھی۔ جسکو خدا نے یوں پورا کیا کہ جس کو تم نے میرے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اس نے مجھے جنگل میں لاکے چھوڑ دیا اور تاکید کی کہ پھر کبھی تم کو اپنی صورت دکھاؤں۔

کونٹ اس نے مجھ پر بڑا احسان کیا افسوس گولو نے مجھے فریب دیا اور میں ایسا بیوقوف بن گیا۔ یہ کہہ کر کونٹ نے بیوی کو گلے لگالیا۔ بچہ پہاڑ کی ایک کھوہ میں غافل پڑا سو رہا تھا اسے جاکے گود میں اٹھایا اور پیار کیا۔

اب کونٹ اپنی محبوبہ بیوی اور اپنے لخت جگر کو اپنے محل میں لایا اسی وقت گولو کو بلا کے قتل کیا اور گھر میں پھر خوشیاں منائی جارہی تھیں۔

جنفیاف نے جنگل میں جہاں مصیبت کی زندگی بسر کی تھی وہاں اپنی مصیبت دور ہونے کی یادگار میں ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کرائی اور اس میں ایک پتھر پر اپنی ساری داستان کندہ کرادی اور ایک تابوت بنوایا جسمیں میاں بیوی دونوں مرنے کے بعد دفن کئے گئے وہ خانقاہ اس کی یادگار میں آج تک موجود ہے۔

نویں حسینہ

ماریہ ولان فلپون

یہ ایک قابل و ممتاز فرانسیسی خاتون تھی جس نے محض اپنے حسن و جمال اور فضل و کمال کی وجہ سے عروج حاصل کیا۔ ناموری کے اعلیٰ ترین شہ نشین پر پہنچی اور ناعاقبت اندیش قوم کی غیر معتدل آزادیوں پر قرباں ہوئی۔

وہ فلپون نام پیرس کے ایک مہرکن کی بیٹی تھی جو اپنے فن میں تو صاحب کمال تھا مگر غریب و افلاس کے ہاتھوں ہمیشہ پریشان رہا اسی لئے یہاں ۱۷ مارچ ۱۷۵۴ء کو ماریہ پیدا ہوئی ماں باپ کے مزاج میں بڑا فرق تھا ماں نیک نفس۔ نرم دل۔ ستودہ اخلاق اور صابر و قانع تھی برخلاف اس کے باپ حریص و طماع۔ بدنفس و بداخلاق حاسد و کینہ ور اور شریف و نیک نفس لوگوں کا دشمن تھا اسے یہی مالیخولیا تھا کہ میری ساری نکبت و فلاکت شرفا و امرائے وطن کی وجہ سے ہے اور بدنصیبی سے ملک فرانس کے عوام الناس

کو ان دنوں علی العموم یہی خبط ہو رہا تھا ان خیالات کی وجہ سے فلپوس کو جب دیکھئے معززین و شرفائے شہر کو گالیاں دینا اور کہنا کہ یہی لوگ ہم سب کو لوٹے کھاتے ہیں۔

ماریہ اگرچہ ماں کے تمام صفات کی وارث تھی مگر ممکن نہ تھا کہ اس کے دل کے پاک و صاف آئینہ میں باپ کے خیالات کی جھلک نہ نظر آئے کیونکہ باپ کے زیر تعلیم رہی تھی وہ نہایت ہی ذکی و ذہین تھی چار سال کی عمر کو پہونچنے سے پہلے ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا اور مطالعہ کتب کا اسے اس درجہ شوق ہو گیا کہ اسی کے شوق و حوصلے کے مطابق کتابیں خریدنا یا انہیں فراہم کرنا باپ کے امکان سے باہر تھا اپنی یہ بے مایگی دیکھ کے فلپوس نے بیٹی کو تعلیم کے لئے ایک زنانی خانقاہ میں بھیجدیا جہاں ننیں لڑکیوں کو تعلیم دیا کرتی تھیں اس خانقاہ میں ماریہ نے ایسا ذوق علم اور تعلیم کا شوق ظاہر کیا کہ استانیاں اس پر ناز کرنے لگیں اور ساتھ والی لڑکیاں اس کی مطیع فرمان بردار کونڈیاں بن گئیں۔

خانقاہ کے اس زنانہ مدرسے میں ماریہ نے مصوری اور موسیقی میں نمایاں ترقی کی۔ تاریخ و سیر۔ سفرناموں نامور شعرا کے دیوانوں ادب و اخلاق مطائبات و لطائف اور بائبل کی کتابوں میں پوری بصیرت حاصل کی ان سب علموں میں پورا تو غل کرنے کے بعد اس کے دلمیں قدیم یونانیوں اور رومیوں کے

حالات معلوم کرنے غیر معمولی ذوق پیدا ہوگیا اور کوشش کرنے لگی کہ اپنے اخلاق و عادات انہیں لوگوں کے سے بنائے اس کوشش میں اسے یہاں تک انہماک ہوا کہ ایک دن باپ نے دیکھا کہ اکیلی بیٹھی رو رہی ہے اور کچھ کڑھی ہوئی سی ہے بڑھ کے تسلی دی اور رونے کا سبب پوچھا تو بولی "میں اس بات پر روتی ہوں کہ میں کسی رومی کے گھر میں کیوں نہ پیدا ہوئی۔

اکثر اوقات جب تنہا بیٹھتی تو یونانیوں کی گذشتہ سعوبت اور رومیوں کی اگلی عظمت کی خیالی تصویریں خیال کی آنکھوں کے سامنے قائم کرتی پھر ان کے مقابل جب اپنے شہروں اور لوگوں کی حالت پر غور کرتی تو دل بھر آتا رونے اور سر دھننے لگتی اور دل میں کہتی یہ لوگ کس قدر عیش پرست ہو گئے ہیں کیسی غلطیوں اور بیہودگیوں میں مبتلا ہیں؟" اور یہ خیال آتے ہی وطن کے دولتمندوں اور قوم کے سربرآوردہ لوگوں کی طرف سے اس کے دل میں سخت نفرت پیدا ہو جاتی ارکان سلطنت کو ذلت کی نظر سے دیکھتی اور ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہتی "خداوندا" سچائی کو فتح ہو عدالت و انصاف کا قانون ملک پر حکومت کرے اور قوم اس تباہی سے چھوٹے"

دراصل یہ اس کے باپ کے خیالات تھے جنہوں نے اعلیٰ تعلیم میں سمو جانے کے بعد یہ صورت پیدا کر لی تھی باپ نے بچپن

ہی میں اسے وطن کے امیروں کے برے خصائل و عادات اور اخلاق و اطوار سنا سنا کے سب کی طرف سے بدظن کر دیا تھا جب وہ ننھی بچی تھی تو باپ اکثر اسے انگلی پکڑ کے باہر بجاتا پیرس کی سڑکوں پر پھراتا۔ دولتمندوں کا کرو فر امیر زادوں کا سیر و تفریح کے لئے نکلنا اور گلگشت میں محو ہونا ان کی سواریوں کا ٹھاٹھ اور ان کے جلو میں خدم و حشم کا ہونا باہم لغو و بیہودہ مذاق کرنا ان کے گھوڑوں کا غریبوں کو ٹھوکر دے کر نکل جانا اور ان کا غریب ابنائے وطن کو حقارت و ذلت کی نگاہوں سے دیکھنا پھر اس کے بعد ان کی زرنگار گاڑیاں ان کے شاندار گھوڑے ان کا اعلیٰ درجہ کا بیش بہا ساز و یراق اور ان کے سر بفلک قصر و ایوان دکھانا اور کہتا "بیٹی دیکھو اور بتاؤ کہ عدل و انصاف کہاں ہے اور کہاں ہیں وہ خدا کے نیک بندے جو انسانیت کی مدد و دستگیری کو اٹھیں اور ان وحشی و جاہل سنگدلوں کے دست ستم سے اسے بچائیں دیکھتی ہو کہ حریر و دیبا کی گدیوں پر بیٹھے اور کمخواب کے تکیے لگائے بیٹھے عیش و عشرت میں زندگی تلف کرتے ہیں؟ اور جن کی محنت سے ملک آباد ہے وہ فاقے مر رہے ہیں؟ یہ باتیں بھلا بے اثر کئے ہوئے رہ سکتی تھیں؟ اس کے دل میں جم گئیں اور اس گھڑی کا انتظار کرنے لگی جب خدا ان لوگوں کو اس خواب و غفلت کی سزا دے گا۔

۱۴ برس کے سن میں وہ اپنی تعلیم پوری کرکے مدرسے سے نکلی اور چکی کو اپنی شان سے ادنیٰ خیال کرتی مگر ماریہ کو خدا نے علم وفضل کے ساتھ سچا مذاق دیا تھا دلمیں خیال کیا کہ عورت کے سب سے اہم فرائض یہی ہیں۔ بڑے ذوق وشوق سے ماں کا ہاتھ بٹا لیا دوڑ دوڑ کے کام کاج کرنے لگی گھر کا سودا سلف خود ہی جاکے لے آتی اور چونکہ بڑے سلیقے اور دانشمندی سے بات چیت کرتی اس لئے بازار کے تمام دوکاندار اس کے گرویدہ سب اس کی عزت کرتے اور اسے سب سے اچھا سودا مل جاتا

اب اس کا شادی کا سن ہوا اور ہر طرف سے پیام آنے لگے ان پیاموں کی جب کثرت ہوئی اور اس نے دیکھا کہ ماں باپ چاہتے ہیں کہ انمیں سے کسی کو منظور کرلیں تو اس نے انہیں جلد بازی سے روکا اور کہا فطرت اور قانون دونوں اس پر متفق ہیں کہ مرد کو عورت پر فضیلت وفوقیت ہے اگر میں نے جلدی میں کسی ایسے کو پسند کرلیا جو مجھ پر حکومت کرنے اور اس درجہ عالی کے نباہنے کے قابل نہ ہو تو مجھے انجام میں نادم ہونا پڑیگا اور میری زندگی خراب ہوجائے گی یہ سن کے ماں باپ کو خاموش ہوجانا پڑا۔

ایکدن اتفاق سے ایک بڑا دولتمند امیر کبیر اس کے باپ کے کارخانہ میں آیا اس نے فلپون کی صنعتوں اور کاری گریوں

کے سلسلہ میں ماریہ کے ہاتھ کی چند تحریریں دیکھیں تو حیران و ششدر رہ گیا اس کا پاکیزہ خط اس کی خوبصورت عبارت جس چیز کو خیال کرتا بے عدیل و نظیر پاتا ماریہ کی لیاقت کی اس نے بیحد تعریف کی اور اس سے خود ہی سبقت کرکے خواہش کی کہ تم مجھے خط کتابت کیا کرو تاکہ تمھارے طرز تحریر سے میں فائدہ اٹھاؤں اس کے بعد گھر جاتے ہی اس نے ماریہ کو ایک خط لکھا جسمیں توجہ دلائی کہ تم تصنیف و تالیف کا شوق کرو مجھے یقین ہے کہ پبلک تمھارے لٹریچر کی بڑی قدر کرے گی ماریہ نے اس خط کا جواب نظم میں دیا اور ایسے پاکیزہ اشعار موزوں کرکے اسے لکھ بھیجے کہ اسے اور زیادہ حیرت ہوئی اس منظوم خط میں ماریہ نے یہ لکھا تھا کہ "علم و فضل میں عورت مردوں کی برابر کا دعویٰ نہیں کرسکتی اور عورتوں کو وہ اعلیٰ علمی درجہ نصیب نہیں ہو سکتا جو مردوں کو حاصل ہے" پھر اس کے مدلل وجوہ واسباب بتائے تھے۔

اب اس وقت سے ماریہ فلیون اور ان رئیس میں سلسلہ مراسلت جاری ہو گیا اور وہ ان کے وہاں جانے آنے بھی لگی ان دولتمند امیر کا ایک جاہل بیٹا تھا جو نہایت ہی غصہ اور مزاج کا جھلا تھا انہوں نے چاہا کہ ماریہ کو اپنے اس نالائق فرزند کے ساتھ بیاہ لائیں کیونکہ انھیں یقین تھا کہ ماریہ کی صحبت سے اس لڑکے کی

اصلاح ہو جائے گی اور قابل بی بی جب راہ پر لگائے گی تو وہ سدھر جائے گی مگر اس کی اصلاح کی امید موہوم پر ماریہ اپنی زندگی کیوں خراب کرتی ؟ قطعاً انکار کر دیا۔

اس امیر سے نامہ و پیام ہونے اور اس کے گھر پر آنے جانے کے باعث ماریہ سے شہر کے اور کئی امراء سے شناسائی ہوگئی اور ان کے حالات کے معلوم کرنے کا بھی اچھا موقع مل گیا جس کی زیادہ توجہ تھی کہ بچپن سے یونانیوں اور رومیوں کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کرتے کرتے اسے عادت ہوگئی تھی کہ جس کسی سے سابقہ پڑتا دل ہی دل میں اس کے عادات و اطوار اس کے خصائل و کردار اور اس کے مذاق طبیعت کا اندازہ کر لیتی لیکن خوبی و تعریف کی یہ بات تھی کہ کبھی یہ نہوا کہ دولتمند امراء میں سے کسی کی کوئی خصلت اس نے اختیار کی ہو بلکہ امراء کے خصائل پر غور کرنے کا یہ نتیجہ تھا کہ روز بروز ان سے اور زیادہ متنفر ہوتی جاتی اس لئے کہ امراء کو یا تو گانے بجانے اور عیش و نشاط سے واسطہ تھا یا خود نمائی فضول تبختر اور کبر و نخوت سے۔ اور ان باتوں کو ماریہ حقیر و ذلیل جانتی تھی۔

اب اس کی عمر پچیس ۲۵ برس کی تھی اور بد ستور لوگوں کی جانچ پڑتال کرتی رہتی تھی مسیور دلان نام ایک سن رسیدہ شخص سے ملاقات ہوگئی جو عمر میں اس سے بائیس ۲۲ سال بڑا تھا اور علاقہ

لیون کے تمام کارخانوں کا انسپکٹر تھا مسیو رولان نے چندروز کی شناسائی کے بعد اسے شادی کا پیام دیا اور اس نے اپنے مذاق میں اس کے عادات وخصائل کو اس قدر پسند کیا تھا کہ اس کا پیام فوراً منظور کر لیا یہ شخص معزز و ممتاز تھا صاحب علم وفضل تھا ادب وقابلیت میں مشہور تھا اور اس کی کئی تصانیف ملک میں شائع ہو چکی تھیں۔ ان تمام صفات کے ساتھ وہ مزاج کا بھی اچھا تھا۔ غرض ۴ر فروری ۱۷۸۰ء کو دونوں کی باہم شادی ہو گئی اور ماریہ فلپون میڈم رولان بن گئی۔

شادی کے بعد چند روز تک تو دونوں پیرس میں رہے پھر شہر امیان میں چلے گئے اور اس کے بعد شہر یوں میں جا کے مقیم ہوئے جہاں مسیو رولان تو کارخانوں کے معائنہ میں مصروف رہتے مگر بی بی نے اپنی یہاں کی زندگی سے ایک کامل ترین خاتون کی زندگی کا نمونہ دکھایا گھر کو خوب سجا اور آراستہ کیا پھر اس کی انتظامی حالت سدھاری اور اپنی زندگی کے بہترین دن یہیں بسر کئے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور ماریہ رولان اس کی تعلیم و تربیت میں ہمہ تن مصروف ہو گئی۔

مسیو رولان کا معمول تھا کہ ایک چھوٹے گاؤں میں جا کے گرمیوں کا موسم بسر کیا کرتے ماریہ رولان وہاں ان کے ساتھ جا کے مہینوں رہتی اور معمول تھا کہ ہر روز تھوڑا وقت گاؤں

مریضوں اور محتاجوں کی خبر گیری میں صرف کرتی اور چونکہ کوئی طبیعت موجود نہ تھا خود ہی ان کا علاج کرتی اور اپنے پاس سے دوائیں دیتی اور تسلی دیتی رہتی وہ لوگ اس کے حد سے زیادہ گرویدہ ہو گئے اور سارے گاؤں میں اس کی خوبیوں کی دھوم ہو گئی مگر اس کا زیادہ وقت شوہر کے علمی کاموں کی مدد میں صرف ہوتا اور مشہور ہو گیا تھا کہ مسیور ولاں میں جتنی خوبیاں ہیں چنانچہ خاص خاص ان کے ایک ملنے والے کا بیان ہے مسیور ولاں کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قوانین دولت روم سے خوب واقف ہیں۔ لیکن سچ پوچھئے تو ان کا یہ علم دراصل ان کی بی بی کا علم ہے۔ اپنے تمام کمالات میں وہ اپنی انیس زندگی منکوحہ کے زیر بار احسان ہیں ان کی بی بی ان کے تمام معاملات میں ممد و معاون رہتی ہیں ان کا کل کام وہی کرتی ہیں جن کتابوں کو وہ تصنیف کرتے ہیں۔ ان میں اصلاح دیجے وہی انہیں درست کرتی ہیں اور اپنے زور قلم اور اپنی ادبی قابلیت سے شوہر کی تحریروں کو نہایت ہی مدلل اور موجہ بنا دیتی ہے اور اصل حقیقت یہ ہے کہ بی بی ہی کے طفیل میں وہ اعلیٰ درجہ کے انشا پرداز اور ادیب بے ہمتا مشہور ہو گئے ہیں"

اسی اثنار میں یک بیک فرانس میں انقلابات و بغاوت کا ہنگامہ بپا ہو گیا جو تاریخ عالم میں ایک عجیب واقعہ ہے رعایا

سلطنت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور شاہی خاندان اور اس کے طرفداروں کو دنیا تنگ نظر آنے لگی ماریہ رولان کو جب اس جوش و برہمی کا حال معلوم ہوا تو فوراً اس کی اعانت کے لئے تیار ہو گئی لوگوں کا جوش بڑھانا شروع کیا اور بغاوت و سرکشی کی آگ اور بھڑکا دی وہ بچپن سے عمارت کے خلاف اور رعایا کی طرفدار تھی یہ ہنگامہ شروع ہوا تو دل میں سمجھی کہ ملک و قوم کی اصلاح کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے لہذا چند ہی روز کے اندر اپنے شوہر اور دوستوں کو ایسا جوش دلایا کہ وہ بھی فتنہ و فساد کے حامی بن گئے اور ماریہ رولان نے اپنے علاقہ لیون میں پوری بغاوت کرادی یہاں تک کہ وہاں کے عوام کا شعار یہ ہو گیا کہ مسیو رولان اور ان کی بیوی ہی ہمیں شاہی مظالم اور بے انصافی کی آفت سے نجات دلائیں گے۔

اس کی خبر فرانس کے امراء اور بادشاہ کے طرفداروں کو ہو گئی انہوں نے خفیہ جاسوس پیچھے لگا دئے جو دونوں میاں بیویوں کے ساتھ لگے رہتے اور ان کے اوضاع و اطوار اور حرکات و سکنات کی گھڑی گھڑی کی خبریں پہنچاتے رہتے اس کا علم ہو جانے پر بھی ماریہ رولان اپنے ارادے اور طرز عمل سے باز نہ آئی بلکہ لوگوں کو مخالفت پر اور زیادہ آمادہ کر دیا آخر ان میاں بیویوں کی طرف لوگوں کی گرویدگی اس درجہ بڑھی کہ شاہ فرانس لوئی شانزدہم

نے آغاز بغاوت میں مجلس نوابین قائم کی تو اہل لیون نے مسیو رولان ہی کو اپنا نواب (آجکل کے اخباروں کی زبان میں نمائندہ) منتخب کر کے اسے مجلس نوابین میں بھیجا یوں لیون کے نائب مقرر ہو کے دونوں میاں بی بی ۲۰ فروری ۱۷۹۰ء کو پیرس میں پہونچے اور ماریہ رولان نے اس زمانہ کے حالات پر اپنے قلم سے ایک رسالہ لکھ کے شائع کیا جس نے رعایا پر بے انتہا اثر کیا۔

رعایا کو ان میاں بیویوں کے ہاتھ میں دیکھ کے بادشاہ اس قدر خائف ہوا کہ ان کی استمالت و دلجوئی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ مارچ ۱۷۹۲ء میں مسیو رولان کو اپنا وزیر داخلیہ مقرر کر لیا اور انھیں رہنے کو اپنا ایک سجا سجایا قصر دیدیا جسمیں شاہانہ تکلفات کا سامان اور اعلیٰ درجہ کا فرنیچر تھا ماریہ رولان بڑے کروفر اور شان و شوکت کے ساتھ خوشی خوشی اس قصر میں گئی اور شاہی ساز و سامان کا لطف اٹھانے لگی اور رعایا نے بادشاہ کے اس انتخاب پر بڑے جوش و خروش سے اظہار اطمینان و مسرت کیا۔

اس کے چند روز بعد جب بادشاہ نے چاہا کہ آزادی و سرکشی کے سرگردہوں کو سزا دے تو مسیو رولان سے خواہش کی کہ آپ باغیوں اور مخالفین تاج و تخت کے مقابلے میں اعلان جنگ کا مشورہ دیں وہ متردد تھے۔ اور دل کمزوری دکھانے لگا تھا کہ ماریہ رولان نے شوہر کی طرف ایک ایسی چٹھی بادشاہ کو لکھ بھیجی جو اس تجویز کے خلاف اور

ایسی مدلل و موجہ اور زور دار الفاظ میں تھی کہ بادشاہ کو اس کی اور اس کی اور اس کے شوہر کی طرف سے یاس ہو گئی اور کل اہل دربار گھبرا گئے اور جب مسیو رولان نے وہ چٹھی دیکھی تو اپنی بی بی کی اس جرأت اور زور قلم پر انھیں حیرت ہو گئی۔

اس چٹھی کے دباؤ سے بادشاہ کو یہ ظاہر تو مجبور ہو جانا پڑا مگر دربار میں یہ رائے قرار پا گئی کہ مسیو رولان کو سلطنت کے عہدوں سے نکالدینا چاہیئے چنانچہ چند ہی روز بعد وہ عہدہ وزارت سے علیحدہ کر دیئے گئے بادشاہ کی یہ بے رخی دیکھ کے ماریہ رولان نے میاں سے کہا تم اس کا کچھ اندیشہ نہ کرو اور میری وہ تحریر جو دربار میں بھیجی گئی تھی قوم کے سامنے شائع کر دو سب کو معلوم تو ہو جائے کہ کس قصور پر تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے مسیو رولان نے جو بالکل بی بی کے اختیار میں تھے اس تحریر کو شائع کر دیا اور اس کا عجیب و غریب اثر ہوا ادیبوں اور انشا پردازوں اور آزاد خیال پالیٹشنوں نے بے انتہا داد دی رعایا میں ناراضی کا جوش پیدا ہوا اور اس کا ایسا دباؤ پڑا کہ بادشاہ نے گھبرا کے مسیو رولان کو پھر خلعت وزارت سے سرفراز کر دیا اور ماریہ رولان نے شوہر پر ثابت کر دیا کہ اگر میں نے تمھیں موقوف کرایا تھا تو میں ہی نے تمھیں پھر مقرر بھی کرا دیا"

اس کے چند روز بعد وہ زمانہ آیا جب سارا شاہی خاندان مع بادشاہ کے قید خانہ میں تھا اور تخت شاہی عوام کے ماتھہ کا کھلونا تھا

جن سرکش عوام کا زور تھا ان کی کئی پارٹیاں تھیں انھیں میں سے ایک گروہ نے ماریہ رولان کو یہ تہمت لگائی کہ وہ شاہی خاندان سے ساز رکھتی ہیں مکر وفریب سے کوشش کر رہی ہیں کہ بادشاہ کو قیدخانہ سے نکال کے پھر تخت پر بٹھا دیں اور لوگوں کو اچھالنا شروع کیا کہ ماریہ رولان سے اس بیوفائی ومخالفت کا انتقام لیں خصوصاً ایک بدمعاش نے جسے ماریہ رولان نے اپنے پاس سے نکال دیا تھا یہ کہنا شروع کیا کہ وہ فرانس کے مہاجنوں سے مراسلت کر رہی تھیں کہ ان سے روپیے لے کے بادشاہ کو آزاد کرانے میں صرف کریں فرنچ قوم نے اکثر اپنے محسنوں کے ساتھ بیوفائی کی ہے۔ یہی قوم تھی جس نے جون آف آرک کی ایسی فرشتہ رحمت دوشیزہ سے دغابازی کی تھی وہی رنگ اب ماریہ رولان کے معاملے میں پھر نمایاں ہوا اور جو خاتون ان کے حقوق دلوانے میں سب سے زیادہ ساعی تھی اسی کے دشمن ہو گئے۔

اس انقلاب کے وقت ان کے شوہر مسیو رولان زمانے کا رنگ بدلا دیکھ کے بھاگ کھڑے ہوئے اور جاتے وقت انہوں نے لاکھ چاہا کہ بی بی کو بھی ساتھ لیتے جائیں مگر بہادر ماریہ نے نہ مانا اور کہا میں بہادری اور جوانمردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کروں گی۔ شوہر کے چلے جانے کے بعد اس طوفان بدتمیزی میں جب میڈم رولان پر یہ تہمتیں لگائی گئیں تو بغیر اس کے کہ ان کی ان کا رگزاریوں

کا لحاظ کیا جائے جو آزادی کی طرفداری میں انہوں نے کی تھیں وہ قید کرلی گئیں اور چند ہفتے اسیر رہنے کے بعد جوابدہی کے لئے اس عدالت کے سامنے طلب کی گئیں جو عوام کیجانب سے مخالفوں کو سزا دہی کے لئے قائم کی گئی تھی جس وقت یہ قابل اور نیک خاتون ملزمون کے کٹہرے میں لاکے کھڑی کی گئی ایسا انبوہ خلائق تھا کہ معلوم ہوا ایک خدائی اُمڈی چلی آرہی ہے دشمن غصہ میں بھرے تھے اور بڑے طیش سے جھنجھلا جھنجھلا کے الزام لگاتے تھے کہ میڈم رولان نے جوابدہی میں جادوبیانی شروع کی فوراً ہر طرف سناٹا ہوگیا اور کسی نغمۂ دلکش نے کبھی وہ اثر نہ دکھایا ہوگا جو اس وقت اس شیریں زبان و سحر بیاں خاتون کے الفاظ کھا رہے تھے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی براءت میں اس نے ایسی پرزور اور فصیح و بلیغ تقریر کی کہ سب کی زبان بند ہوگئی پیروی مقدمہ کرنے والے وکیل سے کچھ کہتے نہ بنی تمام حاضرین کے دلوں پر اس کی بے گناہی نقش ہوگئی اور حاکم نے جوری سے رائے طلب کی جوری نے بلا تامل بری ہونے کا قطعی فیصلہ کردیا اور مادام رولان کو آزادی دی گئی۔

مگر اس فیصلہ نے دشمنوں کے سینوں میں انتقام کی آگ اور بھڑکادی خصوصاً روبس سپیئر نام ایک شخص تو اس نیک اور فخر قوم خاتون کے خون ہی کا پیاسا تھا چند روز بیشتر لوگ اس شخص کے قتل کے درپے تھے بھاگا بھاگا پھرتا تھا اور کہیں پناہ نہ ملتی تھی

اس نازک زمانہ میں میڈم رولان اور ان کے شوہر نے اسے اپنے گھر میں پناہ دے کے بچا لیا تھا اس احسان کے بدلے میں وہی کافر نعمت شخص آج ان کی جان کا خواہاں ہے ان مخالفتوں نے کچھ ایسی سازش کی اور نئے الزامات تصنیف کر کے اسطرح پیروی کی کہ میڈم رولان بری ہو کے گھر تک نہیں پہونچنے پائی تھیں کہ راستہ ہی سے گرفتار کر کے پھر قید خانہ میں بند کر دی گئیں۔

اب کی بار وہ کئی مہینے قید خانہ میں رہیں مگر قید کی زندگی انہوں نے عجیب غیر معمولی اطمینان و صلاحیت سے بسر کی افکار و تردد ات اور خطروں اور اندیشوں کی انھیں جیسے پرواہ ہی نہ تھی اپنے اوقات تقسیم کئے دو ایک گھنٹے انگریزی زبان سیکھنے میں صرف کرتیں کچھ گھنٹے مصوری و نقاشی میں گزرتے ایک معتدبہ زمانہ مطالعہ کتب و تمدنی کتابوں کی تصنیف میں بسر ہوتا مگر سب سے زیادہ وقت وہ اپنے ہم الم قیدیوں کی خبر گیری ان کی تسلی و تشفی اور دلدہی و حوصلہ افزائی میں صرف کرتیں ان کے پاس جا جا کے انہیں ہمت دلاتیں جہاں تک بنتا روپیہ پیسہ سے ان کی کفالت کرتیں اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ قیدی نہیں بلکہ ستم رسیدہ قیدیوں کے حق میں ایک رحمت الٰہی ہیں اس زمانہ اور قید میں انہوں نے اپنی بے نظیر و دلکش کتاب اپیل ٹو پاسٹرٹی (آنے والی نسل سے اپیل) لکھی جسمیں خود اپنے تاریخی حالات اور خیالات اور واقعات قلمبند کئے ہیں۔

لیکن ان کے ان نیک کاموں کے مقابل دشمنوں کا سوا اس کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا کہ تمام لوگوں کو سازش کرکے ان کے خلاف کردیں اور جس طرح بنے ان کے ساتھ دشمنی کریں آخر اکتوبر ۱۷۹۳ء میں یک بیک وہ پھر عدالت میں بلائی گئیں اب کے وہ زیادہ سنگین جرائم کے مجرموں کی وضع سے لائی گئیں اور بغیر اس کے کہ انکو کچھ بھی کہنے سننے کا موقع دیا جائے عدالت نے سزائے موت تجویز کی اور حکم ہوا کہ گلوٹین سے گلا کاٹ کے انکی جان لیجائے اور اس حکم کو ماریہ رولان نے بڑے استقلال تحمل بردباری اور جوانمردی کے ساتھ سنا اور خاموش ہوگئیں مگر چہرے پر جیسے اس حکم سے اور زیادہ بشاشت آگئی۔ خصوصاً جب مشکیں باندھ کے قتل گاہ کی طرف روانہ کی گئیں تو پیشانی سچائی کے نور سے چمک رہی تھی رخساروں پر جوش دل کی وجہ سے خون کی سرخی نمایاں تھی اور گویا اپنی اس بے گناہی کی موت پر خوش تھیں۔

راستہ میں اتفاق سے "آزادی" کی اس فرضی مورت کا سامنا ہوگیا جو فرانسیسیوں نے پیرس میں بنا کے سرراہ قائم کر رکھی ہے اس پر جو نظر پڑی تو ماریہ رولان بے اختیار اس کی طرف توجہ کرکے بولیں او آزادی تیرا نام لے لے کے لوگ کیسے کیسے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور تیرے نام کی کیسی تضحیک ہوتی ہے کہتے ہیں کہ جب قتل گاہ میں پہنچ گئیں تو انہوں نے قلم دوات کاغذ مانگا تاکہ اس

وقت جو خیالات ان کے دل میں گزر رہے تھے ان کو قلمبند کر دیں مگر اس سے انکار کر دیا گیا اور بغیر کچھ کہے سنے انکا گلا کاٹ دیا گیا اور افسوس کہ اپنے وہ قیمتی خیالات وہ اپنے ساتھ ہی لے گئیں۔

قتل کے وقت ان کی عمر ۳۹ سال کی تھی ان کے مارے جانے کی خبر مفرور شوہر کو ہوئی تو کچھ ایسا دل ٹوٹ گیا کہ چند ہی روز بعد وہ بھی مر گئے اور مرنے کے بعد ان کی جیب میں ایک کاغذ ملا جسمیں لکھا تھا اپنی بی بی کے مرنے کے بعد مجھ میں اتنا صبر نہیں کہ اس پر فتن اور گناہوں سے بھری دنیا میں زندہ رہوں

دسویں حسینہ

مہ جبین روم لقریطیہ

لقریطیہ رومتہ الکبریٰ کے عہد قدیم کی ایک نامور حسینہ و عفیفہ تھی۔ حاکم روم لقریطوس کی بیٹی اور قلاطینوس نام ایک رومی

سردار کی بیوی تھی ان دنوں روم پر ایک بیرونی قوم ونسل کے بادشاہ طارکوئین کا قبضہ تھا جس نے رومیوں کو اپنا غلام بنا کے نہایت ہی ذلیل وخوار کر رکھا تھا مگر لقریطیہ کے شوہر قلاطینوس سے شاہ طارکوئین سے قرابت تھی جس کے باعث دونوں میاں بیوی نہایت معزز سمجھے جاتے۔ اور شہزادوں اور شہزادیوں کے ہم مرتبہ تھے۔

اتفاقاً طارکوئین کے حکم سے قلعۂ آرویہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جو روم سے ایک منزل سے زیادہ مسافت پر نہ تھا۔ وہاں طارکوئین کے تین بیٹے اور لقریطیہ کا جوان سال شوہر قلاطینوس محاصرہ کئے پڑے تھے۔ کہ ایک رات کو کھانے پر چاروں میں اپنی اپنی بیویوں کی دانائی و قابلیت پر بحث ہوئی ہر ایک اپنی اپنی بیوی کی خوبیاں بڑھا بڑھا کے بتاتا اور اسے سب کی بیویوں پر ترجیح دیتا۔ آخر یہ رائے قرار پائی۔ کہ علی الصباح چاروں گھوڑوں پر سوار ہو کے روم میں جائیں اور دیکھیں کہ ان کی بیویاں اپنے گھروں میں کیا کر رہی ہیں۔ اور کن کاموں میں مشغول ہیں۔

دوسرے دن چاروں روم میں پہونچے۔ اور چاروں نوعمر خاتونوں سے ملے۔ شاہ طارکوئین کی تینوں بہوئیں تو اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی اور لہو ولعب میں مصروف ملیں مگر لقریطیہ کو دیکھا کہ اپنی ہم سن سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ایک سادگی و نازنینی کی ادا سے اون کات رہی ہے۔ اس امتحان کے نتیجے میں سب کو تسلیم کر لینا پڑا

کہ چاروں عورتوں میں اچھی اور قابل قدر لقریطیہ ہے۔ اور اس کی خوبی کا اعتراف کرکے چاروں نوجوان پھر قلعہ آردیہ کے گرد اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔

لیکن اس دل لگی دل لگی کے مناظرے اور جوروں کے مقابلے میں ایک نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا وہ یہ کہ جھگڑے کے فیصلے کے لئے چاروں نوجوانوں نے ایک دوسرے کی جورو کو دیکھا تو طارکوبمین کا بڑا بیٹا سکسطوس جو ایک ضدی۔ نفس پرست۔ اور خواہشات نفسانی کا بندہ تھا۔ لقریطیہ کا جمال جہاں آرا دیکھتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے اس پر فریفتہ ہو گیا اور دل میں ٹھان لی کہ چاہے آبرو جائے یا رہے۔ بدنامی ہو یا نیکنامی اور اصول اخلاق کے موافق ہو یا مخالف میں اس بے نظیر پری وش کے حسن کا مزہ ضرور لوٹونگا۔

چنانچہ دو چار روز کا کھلا وادے کے ایک دن چپکے سے محاصرے کے پڑاؤ سے روما میں آیا اور سیدھا لقریطیہ کے پاس جاکے اس کا مہمان ہوا۔ لقریطیہ شہزادہ سمجھ کے اس سے بڑے تپاک سے ملی نہایت ہی خاطر تواضع سے پیش آئی اور اس کے ٹھہرانے کے لئے بہت تکلف کا سامان کیا۔ رات کو کھانا اس کے ساتھ کھایا اور جب سونے کا وقت آیا تو اسے اس کمرے میں پہونچا کے جو اس کے لئے آراستہ کیا گیا تھا اپنی خوابگاہ کے کمرے میں

گئی +

جب آدھی رات سے زیادہ گزر گئی اور سکسطوس کو یقین ہو گیا کہ سب گھر والے سو گئے ہیں۔ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے کمرے سے نکلا اور دبے پاؤں جا کے لقریطیہ کے کمرے میں گھس پڑا۔ آہستہ سے اسے جگایا اور اظہار عشق و فریفتگی کر کے اسے بہلانے پھسلانے لگا مگر صاحب عفت لقریطیہ نے صاف انکار کیا اور پہلے تہذیب و ادب سے پھر ناراضی و ناگواری سے اسے سمجھانے لگی کہ اس ارادے سے باز آ۔ مگر ضدی سکسطوس پر کیا اثر ہو سکتا تھا جب لقریطیہ کو یوں راضی نہ پایا۔ تو ڈرانے دھمکانے لگا۔ مگر دھمکی بھی کارگر نہ ہوئی۔ ادھر سے جس قدر اصرار ہوتا تھا اسی قدر ادھر ضد اور نفرت بڑھتی جاتی تھی آخر سکسطوس نے طیش کے لہجے میں کہا تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تمھیں اسی وقت مار ڈالوں گا۔ لقریطیہ نے غیر معمولی استقلال سے اس کا یہ جواب دیا کہ "مار ڈالو میں جان دوں گی۔ مگر آبرو نہ دوں گی" سکسطوس اب اور برافروختہ ہوا اور بولا "اچھا میں تمھاری جان بھی لوں گا اور آبرو بھی پہلے تم کو قتل کروں گا پھر تمھارے حبشی غلام کو۔ جو دوسرے کمرے میں موجود ہے ماروں گا۔ اور اس کی لاش کو تمھاری لاش کے برابر لٹا کے غل مچا دوں گا۔ کہ میں نے تم کو اپنے سیہ فام غلام کے ساتھ ہم آغوش دیکھا اور مارے غیرت کے دونوں کو مار ڈالا۔ انجام یہ

ہوگا۔ کہ میری سب میں تعریف ہوگی اور تم پر سارے شہر میں تھڑی تھڑی۔ اپنے شوق اور اپنی آرزو میں نامراد البتہ رہوں گا۔ مگر تمھارے اس خوبصورت چہرے میں بھی قیامت تک کے لئے بے عصمتی و رسوائی کی کالک لگا دوں گا۔"

یہ اس بلا کی دھمکی تھی کہ لقریطہ کانپ گئی چنانچہ اس موقع پر اس کی اخلاقی شجاعت نے کمزوری دکھائی اور اس کے پائے استقلال کو لغزش ہو گئی۔ ہاتھ پاؤں ڈال دیئے اور مجبور ہو کے بد اخلاق دشمن عصمت کو اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع دیدیا۔ غرض سکسطوس اپنی ضد پوری کر کے اپنے کمرے میں گیا اور صبح ہوتے ہی خوش خوش اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہوا کیمپ میں واپس آ گیا۔

اسی صبح کو لقریطیہ نے آدمی بھیج کے اپنے سسرے اور شوہر کو بلا بھیجا۔ اور جیسے ہی وہ آئے ان کے سامنے رات کی سرگزشت بلا کم و کاست بیان کر دی۔ دونوں کو بے حد صدمہ ہوا۔ سکسطوس سے انتقام لینے کا وعدہ کیا اور اس کے شکستہ دل کو تسلی دینے لگے مگر دیکھا تو اس کی وحشت کسی طرح کم ہونے کو آتی نہیں۔ آخر کمال یاس کے لہجے میں بولی۔ تم بے شک انتقام لے لوگے۔ مگر تمھارے انتقام لینے سے مجھے اپنی کھوئی ہوئی آبرو نہیں مل سکتی۔" یہ کہتے ہی جوش کے ساتھ خنجر کھینچ لیا۔ جسے پہلو میں چھپائے ہوئے تھی اور

ایک ہی ہاتھ میں سینہ اور دل چاک کر کے گری اور تڑپ کے مر گئی
اس واقعے نے لقریطیہ کے شوہر اور سسرے کو ایسا
جوش دلایا۔ کہ اسی وقت انتقام لینے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ تمام
رومی رعایا نے ان کا ساتھ دیا۔ اور طارکوئین کے لئے یہ ایسا بد
نام کرنے والا واقعہ تھا کہ خود اس کا سگا بھتیجا بروطوس بھی لقریطیہ
کے خون کا انتقام لینے والوں میں آکے شریک ہو گیا آخر شاہ
طارکوئین کے خلاف لوگوں میں ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ
اس سے اور اس کے تمام خاندان والوں سے سوا بھاگ کھڑے
ہونے کے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اور اس کے جاتے ہی رومیوں
میں جمہوری سلطنت قائم ہو گئی اور وہ بادشاہوں کی غلامی
کرنے سے آزاد ہو گئے جو دراصل اسی لقریطیہ کی عصمت و شرافت
کی برکت تھی۔

سنہ ۱۰۸۰ء قبل محمد صلعم میں لقریطیہ نے جان دی تھی
اور سنہ ۱۰۸۳ء قبل محمد میں خاندان طارکوئین کا کہیں پتہ نہ تھا اور
رومی قوم جمہوریت کے آغوش میں پرورش پا رہی تھی۔

گیارہویں حسینہ

اسپاسیا یونانیہ

یونان کے نامی گرامی فلسفیوں۔ سقراط و افلاطون وغیرہ کے ناموں اور کارناموں سے کون نہیں واقف ہے۔ ؟ مگر اس کی خبر شاید کسی کو نہ ہوگی کہ ان سب کے کمالات علمی کے پردے میں ایک بے نظیر و بے مثال حور وش پری جمال عورت تھی جو سچ یہ ہے کہ وہی ان کے اظہار کمال کا ذریعہ ہوئی۔ یہ عورت یونان کے نامور مدبر۔ جان باز۔ سپہ گر۔ اور ہر دلعزیز فرمانروا پرکلیس کی جورو اسپاسیا تھی۔

یونان کی کسی خاتون کو اپنے حسن و جمال اور دانائی و کمال کے لحاظ سے اس قدر شہرت نہیں نصیب ہوئی جس قدر اس بےنظیر و بے ہمتا حسینہ و جمیلہ کو حاصل ہے۔ وہ زیبائی و رعنائی میں انتخاب

فصاحت و بلاغت میں لاجواب دانائی و ذہانت میں بے مثال اور فراست و ذکاوت میں سراپا کمال تھی۔ ان دنوں دنیا کی کوئی عورت ان خوبیوں میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی خصوصاً یونان میں تو اس کے اخلاق و افعال کو کوئی عورت پہونچ ہی نہ سکتی تھی قدیم دار العلم یونان لایتھنز (اثینیہ) میں یہ قانون جاری تھی کہ شہر کا کوئی شریف شخص غیر شہر کی عورت سے یا برادری کے باہر شادی نہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یونان کی عورتوں کے غرور کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی وہ اور کہیں کی کسی عورت کو اپنے برابر نہ سمجھتیں۔ چونکہ مردان کی طرف رجوع کرنے اور ساری دنیا کے حسن و جمال سے قطع تعلق کر لینے پر مجبور تھے اس لئے اثینیہ کی عورتیں شوہروں کو خطرے میں نہ لاتیں۔ اور اپنی آزادیوں اور اپنے شوقوں کی دہن میں مردوں کی طرف سے بے پروا ہوئی جاتی تھیں۔

جس زمانے میں خاتونان یونان کا یہ حال تھا۔ اسپاسیا شوہر کے نام کی عاشق اور اس کے شمع رخسار کا پروانہ تھی اگرچہ ان دنوں یونان میں پردے کا رواج تھا۔ مگر وہ شوہر کی محبت و رفاقت میں نہ پردے کا خیال کرتی اور نہ کسی خطرہ کا۔ جلوت میں خلوت میں۔ مکان میں۔ دربار میں۔ انتظامی مجلسوں میں۔ لڑائی کے میدانوں میں شکار کے جنگلوں میں۔ سفر کی منزلوں میں کوئی

جگہ نہ تھی جہاں اس کا شوہر ہوتا اور اس کی رکاب سے رکاب ملائے وہ موجود نہ ہوتی۔

اس کا شوہر پرقلیس یونان کا سب سے بڑا مدبر سلطنت اور زبردست سپہ سالار تھا۔ اپنی خوبیوں۔ ملک کی سچی ہمدردیوں اور جان بازی کی قومی خدمتوں سے اس نے اہل وطن کو اپنا ایسا گرویدہ کر لیا تھا کہ سب اس پر شیدا تھے اور اثینیہ کا حکمران یا بادشاہ جو کہو وہی تھا بڑے بڑے معرکوں میں اس نے ناموریاں حاصل کی تھیں اعلیٰ سے اعلیٰ قوانین جاری کر کے قوم کا نظام اور ملک کا انتظام درست کیا تھا اور عموماً مانا جاتا ہے کہ یہ سب کامیابیاں اور ناموریاں محض اس کی انیس زندگی اسباسیا کی شرکت و اعانت سے تھیں لوگ علی العموم اس کی ترقیوں اور کامیابیوں کا اصلی باعث اس کی بی بی کو سمجھتے تھے۔ وہ ہر علمی صحبت میں۔ ہر ملکی کونسل میں اور ہر معرکہ جنگ میں اس کے ساتھ ہوتی۔ اور اکثر موقعوں پر خود اسباسیا نے شوہر کی رفاقت کے جوش میں ایسی لیاقت اور ایسی شجاعت دکھائی کہ دیکھنے والے محو حیرت ہو گئے اور سننے والے عش عش کرنے لگے۔

اسباسیا کے علمی ذوق کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ اس کی ڈیوڑھی پر ہمیشہ بڑے بڑے عالموں۔ فاضلوں۔ فلسفیوں۔ اور شاعروں۔ ریاضی دانوں اور مہندسوں۔ فصیحوں اور ادیبوں کا مجمع رہتا۔ اور یونان میں اہل علم و صاحبان کمال کا مرجع و ماویٰ اسی کا گھر تھا اس کے مردانے مکان سے

بڑی علمی صحبت یونان بھر میں کہیں نہ تھی۔ اہل کمال کی جیسی وہ قدر کرتی تھی پھر اس کے ساتھ اس کے علمی شوق اور اس شوق میں اس کی نسوانی جدت طرازی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے محل کی دیواروں پر تمام مشہور فلسفیوں ادیبوں۔ عالموں۔ اور نامور لوگوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔

قصر کے بیرونی حصہ میں زنانی ڈیوڑھی کے سامنے ایک بہت بڑا ہال یا دیوان خانہ تھا۔ جس کی چھت بڑے بڑے خوبصورت ستونوں پر قائم تھی چاروں طرف ارغوانی رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ در و دیوار پر بے نظیر نقش و نگار بنائے گئے تھے اس کے اندر عجیب قسم کا سامان دولت جمع تھا۔ اور نہایت ہی پر تکلف قیمتی اشیائے زینت فراہم کر دی گئی تھیں اسے اسپاسیا نے صاحبان علم و کمال کا کلب قرار دیا تھا جہاں آنے والوں کو ہر قسم کی علمی و معاشرتی مدد ملتی۔ ہر طرح کا سامان تنعم و تفریح۔ تنقل و تسکین موجود رہتا۔ اور بے منت مل جاتا۔ اکثر خود آکے ان کی علمی صحبتوں میں شریک ہوتی اور حوصلہ افزائی کرتی۔ اس کلب میں اثینیہ کے تمام صاحبان علم اور نامور اہل کمال آزادی کے ساتھ بے روک ٹوک آتے اور جن مسائل میں شک و شبہ ہوتا۔ دقیقہ رس باکمالان عصر سے بحث کر کے صاف کر لیتے۔

صبح کی صحبتوں میں اکثر اسپاسیا خود آکے شریک ہوتی۔ اس کے آنے کی یہ شان اور وضع ہوتی۔ کہ یونانی خاتونوں کی وضع کے مطابق

سب کے نیچے ایک چھوٹی سفید اوڑھنی ہوتی جسکی کوروں پر سنہری کامدانی بنی ہوتی۔ پھر اس کے اوپر سرخ ارغوانی ڈوپٹہ ہوتا جس کے آنچلوں میں کارچوب کا طلائی کام ہوتا۔ اس دوپٹہ کو خاص انداز سے وہ جسم میں ساڑھی کی طرح باندھ لیتی اور اس کے اوپر دونوں پر ایک تیسری نیلگوں چادر پڑی رہتی جسکے طلا کار آند آنچل دونوں طرف لٹکتے رہتے۔ اور اس کا عاشق شوہر ہاتھ میں ہاتھ دے اس کے پہلو میں ہوتا۔

وہ کشیدہ قامت چھریری اور نازک بدن تھی۔ زلفوں میں گھونگھر تھے۔ جو پیٹھ پر پڑی رہتیں آنکھیں نرگسیں بڑی بڑی اور شرق تھیں چمپے کی کلی کی سی بلند اور سوتواں ناک تھی۔ کان چھوٹے چھوٹے رخسارے گلاب کے پھول اور ہونٹ یاقوت احمر تھے۔

اور باریک دلکش اور نغمہ خیز آواز معلوم ہوتا کہ فصاحت یونان کے جام شراب میں یمن سحر بابل کی شیرینی ملا دی گئی ہے۔ اس شکل و شمائل اور اس وضع و لباس میں جب سنگ مرمر کے زینوں سے ہو کے وہ اپنے کوٹھے پر کے جلوہ گاہ حسن سے اترتی۔ خانہ باغ کی روشوں میں ٹہلتی۔ باغ کے بیچوں بیچ میں ایک بلند پر تکلف بنگلہ میں کھڑے ہو کے گل و لالہ کی بہار دیکھتی اور نسیم سحر اس کی زلفوں سے کھیلتی اور اس کے آنچلوں کو اڑاتی تو یہ معلوم ہوتا کہ اہل علم کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک پردار حور آسمان سے اتر آئی ہے۔

اس کی نازک پتلی پتلی انگلیوں میں اگرچہ دو چار بہت قیمتی اور

مرصع انگوٹھیاں ضرور رہا کرتی۔ مگر نازنینان یونان کی طرح وہ زیور کی شوقین نہ تھی۔ اسے سادی اور قدرتی خوبیاں زیادہ پسند تھیں "بہ رنگ دبوئے وخال وخط چہ حاجت روئے زیبا را" اس کا مذاق حکیمانہ تھا اور فلسفیانہ سادگی و متانت نے جسمانی معشوقیت میں مل کے خدا جانے کیا بنا دیا تھا پھر تھوری دیر باغ کی سیر کر کے جب وہ اس علمی صحبت اور فلسفیانہ کلب میں آجاتی۔ تو یک بیک معلوم ہوتا کہ علم وفضل کی انجمن میں یک بیک ایک نئی جان پڑ گئی۔

اس کی شرکت نے کلب میں ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ تمام صاحبان کمال اور منتخب روزگار فلسفی اس صحبت کے ایسے رسیا ہو گئے تھے کہ "بن بلائے وہ آپ آتے تھے" اور اپنے جویائے علم دماغوں کو اس کے شمع رخسار سے روشن کر لیتے تھے۔ اس سے بڑھ کے کیا ہوگا کہ سقراط اور افلاطون اکثر اس صحبت میں شریک رہتے۔ اور ان سے اکثر مسائل میں وہ خود بحث کرتی۔ مختلف مسائل چھیڑ کے سب کو ایک بہت ہی اچھی دماغی ورزش کرا دیتی پھر جب دیکھتی کہ سب کے دماغ علمی مسائل پر غور کرتے کرتے تھک گئے ہیں تو مذاق کی باتیں شروع کر دیتی اور اپنے دلچسپ لطیفوں اور اپنی دلکش بذلہ سنجیوں کا ایسا عمدہ غلط جام مفرح پلا دیتی کہ سب کی فکریں دور ہو جاتیں کسی کو دنیا و فیہا کا ہوش نہ رہتا اور دم بھر میں دل و دماغ تازے ہو جاتے۔ اس صحبت میں جب وہ تقریر کرتی تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول چھڑ رہے ہیں۔ تمام حاضرین

محو ہو جاتے۔ اور سب کا یہی دل چاہتا کہ یہ نازنین یونہیں نغمہ سنجی کرتی رہے۔ اور ہم بیٹھے سنا کریں +

سقراط کو اس کے علم و فضل کا اس قدر اعتراف تھا کہ اسے اپنے سے بڑھ کے عالمۂ فلسفیہ خیال کرتا اور اکثر کہا کرتا "میرے اخلاق اور میری علمی واقفیت کو اسپاسیا نے ترقی دی اور تہذیب و تمدن میں میں اس کا شاگرد ہوں" اسی طرح اس کا شوہر پریقلیس معترف تھا کہ میں نے دنیا میں جتنے کام کئے ہیں اور جو کچھ وقعت و ناموری حاصل کی ہے سب میری بی بی اسپاسیا کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ میں نے فصاحت و بلاغت اور پالٹکس و در اصل اسی سے سیکھا ہے +

اسپاسیا نے یہی نہیں کیا کہ علماء و فضلاء کے لئے ایک عالمانہ کلب قائم کیا بلکہ عورتوں کو بھی آداب معاشرت سکھانے کیلئے اس نے ایک زنانی صحبت قرار دے رکھی تھی۔ جس میں تمام معززین اثینیہ کی بی بیاں اور شریف گھرانوں کی خاتونیں آتیں اور اس سے تہذیب و آداب اور نفاست و تمیز داری کا سبق۔ لیتیں اسپاسیا کو بت تراشی۔ تعمیر۔ اور مصوری کا خاص شوق تھا۔ چنانچہ انھیں فنون کے باکمالوں کی دست کاری کے اعلیٰ ترین نمونوں سے اس نے اپنے قصر کو سجایا تھا۔ لوگ ان نفیس اور دلچسپ فنون میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے۔ ان کی وہ بڑی قدر کرتی۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا انہیں مدد دیتی۔ اثینیہ کے اعلیٰ ترین اوج و عروج اور اس کے

علم وحکمت کے شباب کا زمانہ یہی خیال کیا جاتا ہے۔ جب عنان حکومت پرقلیس کے ہاتھ میں تھی اور علم وادب کی مرزبی گری اسپاسیا کر رہی تھی۔ یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ پرقلیس یونان میں علم وفن ادب وشاعری۔ اور سامان عیش کی ترقی کا سب سے بڑا مربی تھا۔ اور ان علموں اور فنون نے جیسی ترقی اس کے عہد میں کی۔ کبھی نہ کی تھی۔ خود پرقلیس یہ قبول کرتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا۔ میں نے نہیں ... میری بی بی اسپاسیا نے کیا۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ یونان میں جو کچھ ہوا سب اسی عدیم المثال عورت کی ایک لازوال برکت اور اس کے حسن کی ایک یادگار کرشمہ سازی تھی۔

حسن کی کرشمہ سازی بھی نہیں ہے۔ کہ عورت اپنے جادو سے کوئی ہنگامہ پیدا کردے۔ اس کی نظر فتان سے کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ حسن کی کشش سے دنیا میں برا بھلا جو نمایاں کام ہو جائے۔ وہی حسن کی کرشمہ سازی ہے۔ یہ اسپاسیا کا حسن ہی تھا جس نے تمام باکمالوں کو اس کی صحبت میں جمع کیا۔ اور انھیں ترقی واظہار کمال پر آمادہ کر دیا پرقلیس بنایا۔ اور اثینیہ کو اثینیہ۔

ان سب کمالوں۔ ناموریوں۔ فیاضیوں اور کامیابیوں کے ساتھ اسپاسیا کی بدقسمتی یہ تھی۔ کہ وہ اثینیہ کی رہنے والی نہ تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ پرقلیس کی جائز بی بی نہیں تسلیم کی جاتی تھی۔ وہاں تو نکاح کے لئے شرط تھی کہ باہر کی لڑکی نہ ہو۔

پھر اسپاسیا کو کوئی اپنے لیڈر کی شریف اور شرعی بی بی کیونکر خیال کر سکتا تھا؟ مگر باوجود اس کے اُس کی عصمت و شان۔ اس کے حسن و جمال۔ اس کی عقل و دانائی۔ اس کی مرزی گری علم۔ اور اس کی اسی طرح کی صدہا خوبیوں نے عام لوگوں میں اسے ایسا ہر دلعزیز بنا دیا تھا کہ کسی کو اس پر اعتراض کرنے۔ یا طعن و تشنیع کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ مدت تک یہی حال رہا اور کوئی اس کے خلاف نہ تھا۔ مگر تھوڑے زمانے کے بعد بعض لوگوں کو اس پر حسد آیا۔ انھوں نے اس کے خلاف ایک سازش کی اور یکایک شہر میں مشہور ہو گیا۔ کہ اسپاسیا کے مزاج میں بے انتہا غرور آ گیا ہے اور اس کی تخوت اس درجہ کو بڑھ گئی ہے کہ اثینیہ کی تمام بیگموں اور ان کی خاتونوں کو اپنے سامنے ذلیل سمجھتی ہے۔ جاہل عورتوں میں یہ خیال ایک آگ کی طرح پھیلا۔ اور تمام اثینیہ والیوں کو یقین آ گیا۔ کہ وہ ہماری تحقیر و تذلیل کرتی ہے۔ عورتوں کی عادت ہمیشہ بے بنیاد باتوں کو جھنڈے پر چڑھا دیا کرتی ہے۔ اور پھر اندر ہی اندر اس میں نئی نئی باتیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اب آناً فاناً میں شہرت ہو گئی کہ اسپاسیا سے انکفورس فلسفی اور فیدیاس مصور سے ناجائز تعلق ہے یہ خبر زور و شور سے پریکلیس کے گوش گزار کی گئی مگر اس نے محض اتہام خیال کیا وہ جلوت و خلوت میں اور اندر باہر ہر جگہ اسپاسیا کو اپنے پہلو میں دیکھا کرتا تھا۔ بدگمان ہوتا۔ تو کس بنا پر؟ مگر

لوگوں کو اس پر چین نہ آیا۔ اور برہم مزاج لوگوں نے مشتعل ہو کے ایسا ہنگامہ مچا دیا۔ کہ وہ بے گناہ حکیم تو جان سے مار ڈالا گیا۔ اور مصوّر ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا گیا۔ پرقلیس نے ان دونوں کے بچانے کے لئے لاکھ جتن کئے۔ کوئی کوشش اور تدبیر اٹھا نہ رکھی مگر عام شورش کو کسی طرح دبا نہ سکا۔ اور دونوں قابل قدر صاحبان کمال اس سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئے۔

اب لوگوں نے خود اسپارٹا کو ملزم قرار دے کے سزا دینا چاہی پرقلیس کو اس سے بے انتہا آزاد پہونچا اور آریوس باغوس کے سامنے بی بی کی جرات ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنی فصاحت و بلاغت اور زور بیان کا کمال دکھایا۔ ایسی تقریر کی کہ سامعین محو اور نقش حیرت تھے۔ پرقلیس بڑا بہادر اور ضابط و متحمل مشہور تھا۔ اس موقع پر جب اس نے دیکھا۔ کہ میرے الفاظ دشمنوں کے دلپر اثر نہیں کرے۔ تقریر کرتے کرتے دل بھرایا۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اس سے پہلے اس کی ایک کنواری بیٹی پر یہی الزام عاید کئے گئے تھے۔ ان کی برأت بڑھی اسے تقریر کرنا پڑی تھی اور وہ بڑی رحمی و سفاکی کے ساتھ اس سے چھڑا کر جلا وطن کی گئی تھیں مگر اس کے استقلال میں فرق نہ آیا تھا۔ لیکن پاک دامن بڑی جمال محبت والی بی بی کی حمایت کرتے وقت دل اختیار سے باہر ہو گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ اور آخر رو دھو کے اسے سزا سے بچا ہی

لیا۔ پرقلیس کی نسبت کہتے ہیں کہ ساری عمر میں فقط دوبار رو دیا تھا۔ ایک تو اس موقع پر۔ اور دوبارہ اپنی چھوٹی۔ لاڈلی بیٹی کے مرنے پر۔

دشمنوں کو اسباسیا کے خلاف شورش مچانے کا زیادہ تر موقع اس لئے مل گیا۔ کہ وہ پرقلیس کی دوسری بی بی تھی۔ جس سے اپنی اشنیہ کی بیاہتا بی بی کو طلاق دے کے اس نے شادی کی تھی۔ اسباسیا نے اگرچہ اپنے اخلاق اپنی فیاضیوں اور اپنی نیکیوں سے سارے اہل اشنیہ کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ باہر کی عورت تھی۔ قومی اور وطنی مخالفت کا ہنگامہ بلند ہوا تو سب خلاف اور دوست دشمن ہوگئے۔

پرقلیس پر اس کا اس قدر اثر پڑا ہوا تھا۔ کہ تاریخ میں بعض الزامات جو اسے دئے گئے ہیں وہ بھی اسباسیا ہی کی جانب منسوب کر دئے جاتے ہیں۔ پرقلیس کی پالیسی یہ تھی۔ کہ اسپارناوالوں سے ہمیشہ لڑائی جاری رکھی جائے اس اصول پر اس نے جو سلسلہ جنگ چھیڑا تھا۔ ستائیس برس تک جاری رہا۔ یہ لڑائی جنگ پلے پونیشیا کہلاتی ہے۔ اور اکثر مورخین کا خیال ہے کہ اسی پرقلیس نے اسباسیا ہی کے کہنے سے چھیڑا تھا مگر محقق مورخوں کو مستند بناؤں پر اس سے قطعی انکار ہے۔

اسی لڑائی کے دوران میں اشنیہ میں ایک طاعون پیدا ہوا اور

یہ حالت ہوگئی کہ مکانات درکنار سڑکیں اور بت خانے تک لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ اسی طاعون میں پہلے پرقلیس کے تمام اعزہ واقارب مبتلا ہوکے مرے اور آخر ۴۲۹ قبل محمدؐ (۴۲۹ قبل مسیح) میں وہ خود بھی اس طاعون کی نذر ہوگیا۔

اسپاسیا زندہ بچ رہی۔ اور اس وقت اس کی عمر ۴۱ اکتالیس سال تھی بیوہ ہونے کے چند روز بعد اس نے ایک تاجر سے شادی کرلی۔ اس میں کوئی ذاتی خوبی نہ تھی مگر اسپاسیا ایک ایسی عورت تھی کہ اس کی وجہ سے اس کے شوہر کو بھی لوگ عزت کی نظر سے دیکھنے لگے اور تھوڑے ہی زمانہ میں بی بی کی تعلیم سے وہ ایک زبردست مقرر اور نامور اسپیکر ثابت ہوا۔ جس کی یونان میں بڑی شہرت تھی۔

اپنے اس دوسرے شوہر کو بھی اسپاسیا نے اگرچہ ایک ذی کمال نامور بنا لیا۔ مگر اس کی اصلی نمود اور کامیابی کا زمانہ وہی تھا جو پرقلیس کے ساتھ گذرا اور جسطرح دنیا اس کے اُس دور کو کبھی نہ بھولے گی۔ ویسے ہی وہ بھی اپنے اس ترقی و ناموری کے عہد کو کبھی نہ بھول سکی ہوگی۔

بارہویں حسینہ

ویدون ملکۂ سور

ہم میں بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے "سریانی" زبان کا نام نہ سنا ہو مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ زبان کہاں اور کس قوم کی تھی ارض شام کے ساحلی شہروں میں "طائر" نام ایک شہر ہے جو اگلے دنوں "سور" کے نام سے مشہور تھا یہاں قدیم الایام میں ایک قوم آباد تھی جو فنیقی لوگ کہلاتے تھے انہیں لوگوں کا دارالسلطنت یہ قدیم شہر سور تھا یہ لوگ بنی اسرائیل کے رقیب اور ان سے پیشتر سے یہاں آباد تھے دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم نے تجارت کے ذریعہ سے زبردست سلطنت پیدا کی اور جہازرانی کمال حاصل کیا اسی قوم شہر سور کی قدیم زبان سریانی تھی اور یہیں کی ملکہ ویدون تھی جس کا زمانہ حضرت رسالتمآب صلعم سے ۱۴۲۱ برس پیشتر تھا۔

ویدون سوریہ یعنی علاقہ سوریا کے بادشاہ بقلوس کی بیٹی اور مقام ہرقلیس کے دولتمند کاہن سیتہ کی جوروہتی حسن وجمال میں ملکوں ملکوں اس کا شہرہ تھا اور مروت واخلاق میں اپنی ساری قوم کی سرتاج ہتی ویدوں کے بھائی بکالیوں نے جاہ و دولت کی ہوس میں اس کے شوہر کو مار ڈالا شوہر کے ماتم میں سوگوار تھی کہ خواب میں دیکھا آنجہانی شوہر آکے کہہ رہا ہے۔ تم سور چھوڑ کے کہیں اور چلی جاؤ۔ محبت والی جورو کے لئے اتنا اشارہ کافی تھا پہلے پوشیدہ پوشیدہ اپنا تمام قیمتی مال واسباب اور اپنی ساری دولت کرتا نام ایک مقام میں پہنچا دی جو سور اور صیدار کے درمیان واقع تھا پھر اپنے دوستوں اور طرفداروں کو لے کے جہاز پر سوار ہوئی۔ لنگر اٹھا دیا اور شمالی فنیقیہ کا رخ کیا۔

اثنائے سفر میں جزیرہ صقلیہ پر گزرا ہوا وہاں ایک عید کا دن تھا ساحل پر میلا لگا تھا اور شہر کی حسین و نازنیں لڑکیاں کھیل کود رہی تھیں۔ کہ ناگہاں مردوں نے پری جمالوں کے جھرمٹ پر زغہ کر دیا اور جسے جو لڑکی پسند آئی اس کو بے تکلف پکڑ لے گیا یہ تماشا دیکھ کے ویدوں نے یہاں سے کوچ کیا اور آگے کی راہ لی۔

اب اس کے جہاز جزیرۂ صقلیہ کے محاذی ساحل زوجیتا میں پہنچے جو ان دنوں افریقہ کا ایک ساحلی علاقہ تھا یہاں کا فرمانروا ایاس نام ایک بیدار مغز بادشاہ تھا ویدوں نے اس کی قلمرو میں لنگر انداز ہو کے

اس سے ایک قلعہ تعمیر کرانے کی اجازت مانگی ایاریاس نے باج گزار بن کے رہنے کا وعدہ کے لیا اور اجازت دیدی اور ویدوں نے بصرہ نام ایک قلعہ تعمیر کیا سریانی قلعہ کو بصرہ کہتے تھے مگر یونانیوں نے چند روز بعد بصرہ کو الٹ کے برسہ بنا دیا۔ جس کے معنے ان کی زبان میں بیل کے چمڑے کے ہیں۔

چند روز بعد ویدوں نے ساحل موریطانہ (مراکو) پر وہاں کے بادشاہ سے ایک قطعۂ زمین مول لے کے اس پر مشہور تاریخی شہر قرطاجنہ آباد کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ویدون قرطاجنہ (کارتھیج) ہی نہیں کارتھیج کی زبردست سلطنت کی بھی بانی ہوئی۔

اسی زمانہ میں شاہ ایاریاس اس کا عاشق شیدا ہو گیا برضا درغبت یا بہ جبر و اکراہ اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوا اور بار بار پیام دینے لگا اس شاہی پیام کی وجہ سے ویدون عجیب مشکل میں پڑ گئی ایک طرف تو اس نے اپنے آنجہانی شوہر سے قسم کھا کے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے بعد میں کسی اور کی نہ ہوں گی دوسری طرف بادشاہ وقت پیچھے پڑا ہوا تھا کہ جس طرح ہو سکے میری ملکہ بنو جب اس تحریک میں اصرار ہوا تو اس نے مجبوراً نکاح کا وعدہ کر لیا۔ مگر تقریب شادی کا سامان کرنے کے لئے تین مہینے کی مہلت مانگی شاہ ایاریاس نے یہ مہلت منظور کی اور ویدوں بٹنہ لگانے اور شادی کا سامان کرنے لگی یہاں تک کہ تین مہینے گزر گئے رعایا کو دھوم کے جلسے

دیکھنے اور بادشاہ کو وصال محبوبہ سے شاد کام ہونے کا وقت آیا تو مدت معہودہ کے آخری دن دیدون ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئی اور اس کی چوٹی پر کھڑے ہو کے اپنے کلیجہ میں خنجر بھونک لیا اور شہر قرطاجنہ کے ساتھ عورتوں کی وفاداری کا ایک بینظیر نمونہ اپنی یادگار چھوڑ گئی۔

دیدون کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ کوئی معمولی عورت نہ تھی وہی تھی جس نے سواحل شام سے جا کے شمالی افریقہ میں وہ زبردست سلطنت قائم کی جو مدت دراز تک رومی عظمت و جبروت کی حریف مقابل رہی ہنی بال کے کارنامے اصل پوچھئے تو اسی دیدون کے حسن و جمال اور زلف گرہگیر کے آخر نمونے تھے جنہوں نے دنیا کو اس شکاری کے تمدن سے چاہتے تھے جو رومیوں کی ترقی سے پیدا ہوا اور جس نے کامیاب ہو کے ساری دنیا کے اخلاق کو غارت کر ڈالا۔

تیرہویں حسینہ

شیریں ملکہ عجم

یہ ملکہ فارسی اور اردو لٹریچر میں اسقدر مشہور اور حسن و عشق کی دنیا میں ایسی نامور ہے کہ ہمیں خود ہی تعجب ہے۔ فارسی اور اردو کا کوئی شاعر نہیں ہے جسنے دولت ساسانیہ کے عہد کی اس نازآفرین ملکہ کی شمع حسن کی شعاعیں اپنی معشوقہ کے چہرے پر نہ ڈالی ہوں ہر دیوان اسی کا پیارا نام یاد دلاتا ہے اور اس کے عالم فریب حسن کے حالات میں بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ ممتاز مولانا نظامی کی مثنوی خسرو شیریں ہے۔

مصر کی جدید مصنفہ زینب بنت علی خانم نے اپنی مشہور کتاب الدر المنثور فی طبقات ربات المخدور میں قدیم عربی مورخین سے لیکے شیریں کی اصلیت یہ بتائی ہے کہ وہ خاص ساسانی خاندان خسروی کی یادگار اور نوشیرواں عادل کی نسل سے تھی جسے نوشیرواں نے پرورش کے لئے ایک شریف و معزز رئیس ایران کے آغوش میں دے دیا تھا اسی کے گھر میں وہ پرورش

پائی تھی اور خسرو پرویز بھی جوان دنوں بچہ تھا۔ اسی امیر کے گھر میں آ کے شیریں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ یہی کھیلنا ان کے باہمی عشق کا باعث ہو گیا۔ جب ان دونوں بچوں کا ملنا جلنا اٹھنا بیٹھنا اور باہمی اختلاط و ارتباط اعتدال سے زیادہ گزرتا نظر آیا تو اس امیر کو خاندان ساسانی کے وارث تاج و نگین کے لئے یہ حالت خطرناک نظر آئی اور شیریں کو منع کیا کہ خبردار تم صاحب عالم کے ساتھ نہ کھیلا کرو مگر بچپن کی محبت نے دونوں کے دلوں میں اس قدر جگہ پکڑ لی تھی۔

کہ اس روک کا کچھ اثر نہ ہوا۔ پرویز روز آتا اور اس کے آتے ہی شیریں کو اس کے سوا کسی سے سروکار نہ ہوتا۔

اسی اثنار میں ایک دن شیریں کے اس بیدرد مربی نے دیکھا کہ اسکی انگلی میں ایک قیمتی انگوٹھی ہے پوچھا یہ انگوٹھی تمھیں کہاں سے ملی؟ بھولی سادہ دل لڑکی نے صاف صاف کہدیا پرویز نے دی ہے یہ سن کے وہ شخص اور خائف ہوا اور اپنے ایک خادم کو بلا کے حکم دیا کہ اس لڑکی کو لیجا کے اسی وقت دجلے میں پھینک آؤ خادم اُسے دریا کے کنارے لے گیا اور گہرے پانی میں ڈبکیل کے ڈبونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ شیریں نے رو رو کے بمنت و سماجت التجا کی کہ تمھیں تو فقط دریا میں پھینکنے کا حکم ہے یہ نہیں کہا گیا کہ کہ گہرے پانی میں مجھے ڈبو دو اور مجھے ڈبو کے تمھیں کیا مل جائیگا تمھاری قسم اور فرمانبرداری یوں بھی پوری ہو سکتی ہے کہ مجھے تھوڑے پانی میں ڈال کے چلے جاؤ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمھارے آقا کو میرے زندہ بچنے کا حال کبھی

نہ معلوم ہوگا اور نہ شہر میں کسی کو اپنی صورت دکھاؤں گی خادم کو اس کے رونے پر ترس آگیا اور شیریں کو گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چھوڑ کے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شیریں کچھ دیر تک تو پانی ہی میں پڑی رہی پھر چپکے سے نکل کے مسیحی راہبوں اور ننوں کے ایک دیر (خانقاہ) میں چلی گئی جو کہیں وہیں قریب تھا ایک خوبصورت پیاری بچی کو روتے اور پناہ مانگتے دیکھ کے راہبوں کا دل بھر آیا اس کی پیٹھ پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور اپنے دیر میں رکھ کے پالنے لگے یوں شیریں بچپن ہی میں ننوں کی صحبت میں رہ کے ایک تن اور مرتاض عابدہ بن گئی لیکن باوجود اس رہبانیت کے وہ انگوٹھی ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہتی جسے وہ سب چیزوں سے زیادہ عزیز رکھتی تھی کیونکہ اس کو دیکھ کے وہ گذشتہ صحبت عیش اور پرویز کی محبت بھری نگاہ کو یاد کر لیا کرتی تھی۔

اب ادھر تو شیریں اسی دیر کے اندر ریاضت و رہبانیت کے لباس میں نشو و نما پا کے جوان ہوئی اور ادھر پرویز نے ساسانی تاج و تخت کو اپنی عنفوان شباب کی حوصلہ مندیوں سے زیب و زینت دی اتفاقاً قیصر روم کا سفیر بڑے کروفر اور بڑے تزک و احتشام سے دربار خسروی میں آرہا تھا ایک دن اسی دیر کے پاس اس نے پڑاو ڈالا اور راہب ہم مذہبی کے باعث اس سے ملے۔ شیریں نے جیسے ہی سنا کہ یہ قیصر کا سفیر ہے اور خسرو پرویز کے پاس جاتا ہے اس کے پاس دوڑی گئی اور کہا اگر آپ اتنا میرا کام کر دیتے

کہ یہ انگوٹھی تاجدار آلِ ساسان کو پہنچا دیتے تو میں آپ کی نہایت احسان مند ہوتی مجھے یقین ہے کہ حضور شہنشاہ عجم اس کو دیکھ کے بہت خوش ہوں گے اور آپ کی قدر کریں گے۔ سفیر نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ میں خوشی سے پہنچا دوں گا اس سے پکا وعدہ لے کے شیریں نے وہ انگوٹھی اس کے حوالے کی اور بہت تاکید کر دی کہ اسے احتیاط سے لے جائے گا۔ راستہ میں کہیں کھو نہ جائے۔

اب سفیر دربار عجم میں پہونچا اور ایک دن موقع پاکے وہ انگوٹھی بغیر کچھ کہے سنے خسرو پرویز کے ملاحظہ میں پیش کر دی۔ پہلے تو جلدی میں اس نے اٹھالی مگر جب غور سے اُسے دیکھا اور پہچانا تو دل دھڑکنے لگا بچپن کی ہزارہا پر لطف و پر سرور یادوں نے حافظے پر اس قدر ہجوم کیا کہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے شیریں کی پیاری محبت بھری صورت آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی اور بے اختیاری کے جوش میں شاہانہ متانت کو بھول کے پوچھنے لگا۔ آہ یہ انگوٹھی آپ کو کہاں ملی؟ سفیر نے ساری کیفیت بیان کر دی اور اس دیر کا پتہ بتا دیا فوراً ہرمز کے معتمد امراء بھیجے گئے جو شیریں کو نہایت کروفر بڑے تزک و احتشام اور شاہانہ جلوس شاہی کے ساتھ قصر شاہی میں لائے۔

اب شیریں وہ پرانی کھلنڈری لڑکی نہ تھی بلکہ ایک شوخ و ناز آفرین مہ جبین اور پری جمال نازنین تھی جس کی ہر ادا دلپذیر و نشتر کا کام دیتی تھی خسرو پرویز صورت دیکھتے ہی ساری دنیا کو بھول گیا۔ محل کی تمام

حسین و مہ جبین حرموں سے دل ہٹ گیا شیریں سے عہد وفا کیا سلطنت کی باگ بھی اسی کے ہاتھ میں دیدی اور شیریں ملکۂ عجم بن کے ساری قلمرو پر حکومت کرنے لگی خسرو اس کا غلام تھا۔ ور ملک میں جو کچھ کرتی تھی وہی کرتی تھی چند روز کے بعد شیریں نے مدائن سے ذرا فاصلہ پر کرمان شاہان کے قریب کوہستان کی ایک پر فضا وادی منتخب کی اور اس میں ایک عالی شان قصر تعمیر کرایا جس کے کھنڈر آج تک قصر شیریں کے نام سے مشہور ہیں لیکن فردوسی نے شاہنامہ میں اور مولینا نظامی نے خسرو شیریں میں جو کچھ واقعات لکھے ہیں وہ مذکورۂ بالا بیان سے بالکل جدا اور بہت ہی پر لطف ہیں اور ہمارے خیال میں وہی زیادہ صحیح بھی ہیں اس لئے کہ ان دونوں عجمی نژاد مصنفوں نے اپنی قومی روایات اور تاریخ عجم کے اس ذخیرۂ معلومات سے لے کے لکھا ہے جو اس وقت تک موجود تھا فردوسی نے اگرچہ شیریں کے حالات مشرح طور پر نہیں بیان کئے ہیں ہم کو اس کے اشعار سے جا بجا مولانا نظامی کے بیان کی تصدیق ضرور ہوتی ہے۔

نظامی نے اپنی مثنوی میں جو واقعات بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ ارمن اور گرجستان میں جہاں کے حسن و جمال کی ساری دنیا میں شہرت ہے ان دنوں مہین بانو نام ایک ملکہ فرمانروا تھی جس کے پاس شبدیز نام ایک خاص نسل کا گھوڑا تھا اور وہ اس قدر تیز اور سبک خرام تھا۔ کہ کوئی اس کی گرد کو نہ پاتا تھا اسی ملکہ کی بھانجی اور ولیۂ عہد شیریں تھی جس کو عیش و عشرت کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ تھا ستر اسی دوشیزہ

پری جمال و ماہ طلعت ناز آفرین و مہ جبین لڑکیاں اس کے ساتھ رہتیں اور ہمیشہ وہ کوہ قاف کے پر فضا مرغزارہ میں سیر کرتی پھرتی تھی جہاں کی بہار مزہ دی جاتی وہاں ٹھہر کے جام عیش پیتی سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی سیر و شکار میں مصروف ہوتی اور جب خوب جی بھر کے لطف اٹھا لیتی تو کسی اور وادی کا رخ کرتی غرض باغ عالم کی بہار دیکھنے کے سوا اسے کسی چیز سے مطلب نہ تھا جو لوگ اسے اور اسکی سہیلیوں کو کہیں کسی وادی میں دیکھ پاتے انھیں یقین ہو جاتا کہ یہ انسان نہیں کوہ قاف کی پریاں کلیوں پر ہیں۔

شیریں کی اس عیش پرستی کی خبر قرب و جوار میں مشہور ہوئی حسن پرست نوجوان اسکی ایک جھلک دیکھ پانے کے آرزو مند ہوئے اور آخر یہ خبر اڑتے اڑتے خسرو پرویز کے کان تک پہنچی جو دولت عجم کا جواں بخت و جواں سال ولی عہد تھا وہ سنتے ہی عاشق و بیتاب ہو گیا اور اپنے ہوشیار مصائب شاہ پور کو روانہ کیا کہ کسی تدبیر سے اس فتنۂ دوراں پری پیکر کو کوہ قاف سے شہر ارمن میں اڑا لائے شاہ پور بڑا ہوشیار و ذہین و طباع صاحب علم و فضل اور چابک دست مصور تھا سفر کر کے گرجستاں میں گیا اور وہاں سے پتہ لگا کے کوہ قاف کی اس وادی میں پہنچا جہاں حسن شیریں کی کرشمہ سازیوں نے ایک عالم کو محو حیرت بنا رکھا تھا شاہ پور نے پرویز کی کئی دلکش و دلفریب تصویریں تیار کر لی تھیں۔ جس وادی میں شیریں تھی اس کے خیمہ کے قریب ہی رات کے اندھیرے میں جا کے ایک تصویر کو کسی درخت میں لٹکا آیا۔ صبح کو شیریں اور اس کی سہیلیوں نے اس تصویر کو دیکھا تو گھبرائیں

اور اس راز کی جویا ہوئیں۔ مگر کچھ نہ سمجھ سکیں اور یہ کہہ کے ٹالدیا کہ ہوگا۔
دوسرے دن دوسری وادی میں گئیں وہاں بھی شاپور کی چالاکی سے وہی تصویر ایک درخت میں لٹکی ملی اور تیسرے دن تیسرے مرغزار میں بھی انھیں وہی تصویر آویزاں نظر آئی۔

اب شیریں نہایت ہی مرعوب و سہمگین اور دل میں اس صورت پر فریفتہ تھی سہیلیاں الگ بدحواس ہو رہی تھیں اور کسی طرح یہ بھید نہ کھلتا تھا آخر رائے قرار پائی کہ اب کسی سے اس تصویر کا راز دریافت کرنا چاہتے اور شیریں نے سب ساتھ والیوں کو حکم دے دیا کہ جو کوئی ادھر سے گذرے اس سے اس تصویر کا حال پوچھو اب موقع پاکے میاں شاپور نہایت ہی تہذیب و بے تعلقی کی صورت میں نمودار ہوئے شیریں کی چند سہیلیوں نے دوڑ کے یہ راز پوچھا اور آپ نے تصویر کو بہت ہی بے لوثی کے تیوروں سے دیکھ کے کہا۔ اول تو یہ راز کہنے کا نہیں اور کہا بھی جائے تو تم سے بیان کرنے کا نہیں لڑکیوں نے یہ حال آکے شیریں سے بیان کیا تو اسے اور حیرت ہوئی۔ اشتیاق اس حد کو پہونچا ہوا تھا کہ نہ رہا گیا بے تکلف خود دوڑی گئی اور کہا آپ اس تصویر کا راز گراں لڑکیوں کو نہیں بتاتے تو مجھے بتایئے شاپور نے سر سے پاؤں تک اس کی صورت دیکھی اور ادب سے جواب دیا مگر میں اس راز کو آپ کی ان سہیلیوں کے سامنے نہیں بتا سکتا شیریں نے فوراً سب کو ہٹا دیا اور تنہائی میں شاپور سے یہ بھی کہدیا کہ میں اس شخص کے شوق میں بیتاب ہو رہی ہوں خدا کے لئے جلدی بتایئے کہ یہ کون ہے

اور کہاں رہتا ہے۔

شیریں کی زبان سے یہ کلمات سن کے شاپور دل میں خوش ہوا کہ میرا جادو اثر کر گیا۔ اور اپنی تجربہ کاری و جہاں گردی کا اظہار کر کے کہنے لگا یہ تصویر دولت ساسانی کے ولیعہد اور مملکت عجم کے وارث تاج و نگین خسرو پرویز کی ہے اور پرویز کی ثنا و صفت جو بیان کرنا شروع کی تو سلسلہ ختم ہونے ہی کو نہ آتا تھا تعریفوں کے پل باندھ دئے اور تصویروں کے ذریعہ سے جو چنگاری شیریں کے دل میں ڈالی تھی۔ اسے دھونکتے دھونکتے اس شدت کو پہنچا دیا کہ شعلے اٹھنے لگے اور ان کی حدت سے بیتاب و بیقرار ہو کے شیریں نے کہا افسوس اب میں کیا کروں؟ نہ کوئی مونس و انیس ہے نہ کوئی ہمدم و ہمراز اور بات ایسی نہیں کہ زبان پر لاؤں تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ کہ دل کو قرار آئے شاپور نے پہلے تو ٹالا مگر جب اُسے حد سے زیادہ بیتاب پایا تو کہنے لگا بلکہ سچ یہ ہے۔ کہ شاہزادہ پرویز آپ سے زیادہ آپ کے مشتاق اور آپ کے شوق وصال میں بیتاب ہیں اور میں انھیں کا بھیجا ہوا آیا ہوں یہ تصویریں میں ہی نے آپ کی گذرگاہوں میں لٹکائی تھیں تاکہ آپ کو ان کی طرف متوجہ کروں اب شیریں پرویز کے شوق میں ہر مصیبت کے جھیلنے اور ہر چیز کے چھوڑنے کو تیار تھی۔

شاپور نے اسے اس درجہ دلدادہ دیکھ کے یہ تدبیر بتائی کہ اپنا راز کسی سے نہ کہو۔ سیر کرتی ہوئی گھر جاؤ۔ پھر کبھی سے شبدیز پر سوار

ہو کر شکار کرنے کی اجازت مانگو اور جب وہ اجازت دیں تو اس پر سوار ہو کے کچھ دور تک اپنی سہیلیوں کے ساتھ رہو پھر اسے ایڑ بتا دو اور ایران کا راستہ لو۔ کوئی تمہاری گرد کو بھی نہ پائے گا اور تم چند روز میں مدائن پہنچ جاؤ گی وہاں سیدھی خسرو پرویز کے محل میں جانا اور دیکھ لینا کہ ان تصویروں سے بدرجہا زیادہ اس سے حسن و جمال اور اس کی خوبیاں ہیں یا نہیں وہ صورت دیکھتے ہی تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گا اور تمہارا غلام بن جائے گا اور جو کہو گی وہی کرے گا"

ادھر شاپور کے آنے کے بعد پرویز پر یہ آفت پڑی کہ اسی وقت کے سپہ سالار عجم بہرام چوبینہ کو جو خاندان شاہی سے تھا تاج و تخت حاصل کرنے کی ہوس ہوئی اور کوشش کرنے لگا۔ کہ خسرو پرویز کو باپ کی نظر میں مشتبہ و باغی ثابت کر کے خود ولیعہد سلطنت بن جائے۔ چنانچہ اس نے پرویز کے نام کے سکے بنوا کے مختلف شہروں میں پھیلائے اور مشہور کر دیا کہ پرویز نے باپ کی زندگی ہی میں اپنا سکہ جاری کر دیا اور شہریار عجم ہرمز کو اور ہرتوجہ دلا کے بیٹے کے خلاف کر دیا۔ عاقبت اندیش باپ نے چند سرداران فوج کو حکم دیا کہ پرویز کو اسی وقت گرفتار کر کے حاضر کرو مگر کسی خیر خواہ نے ان سرداروں سے پہلے جھپٹ کے پرویز کو خبر کر دی وہ گھبرا کے بھاگا مگر چلتے وقت محل کی منتظمہ محلدارہ کو حکم دیتا گیا کہ شیریں نام ایک مہ جبین مجھے پوچھتی ہوئی آئے تو اس کی عزت و حرمت کرنا اس کے ہر حکم کو بجا لانا پرویز نے گھر چھوڑ کر ارادہ کیا۔ کہ گرجستان کی راہ لے اور

اور مہین بانو کے ملک میں جا کے شیریں نہ جبین سے ملے راستہ میں ایک چشمے پر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا شیریں اس چشمہ پر اتر کر نہا رہی تھی کہ پرویز جا پہنچا۔ دونوں ایک دوسرے کے دیدار سے متاثر ہوئے۔ مگر چونکہ یہ پہچانتے تھے اور نہ کوئی تعارف کرانے والا تھا۔ دونوں مشتاقوں نے دل میں کہا جس کے شوق میں ہم جاتے ہیں وہ اس سے زیادہ صاحب جمال ہے اور اپنی اپنی راہ لی۔ شیریں پرویز کے محل میں پہونچی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ مگر پرویز کے نہ ہونے سے برخاستہ خاطر ہوئی۔ اس کے محل میں دل نہ لگا آب و ہوا موافق نہ آئی۔ چنانچہ اس کے حکم سے مدائن سے دور پہاڑوں اور گھاٹیوں کے اندر ایک عالیشان قصر تعمیر کیا گیا۔ جس میں ٹھیر کے وہ خسرو پرویز کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔

ادھر پرویز گرجستان میں پہونچا۔ مہین بانو نے حاضر ہو کے سرنیاز جھکایا اپنا مہمان بنایا۔ جابجا کی سیر کرائی اور ہر طرح کا سامان عیش فراہم کر دیا۔ مگر خسرو کو بغیر شیریں کے چین نہ آتا تھا اسی اثنا میں شاپور اس سے آ کے ملا اور اسے روانہ کیا کہ مدائن میں جا کے شیریں کو واپس لائے شاپور گیا اور شیریں کو سمجھا بجھا کے اور پرویز کا شوق دلا کے گرجستان کی طرف لے چلا۔

اس درمیان میں بدخواہوں نے بادشاہ ہرمز کی آنکھ میں سلائی پھیر کے اسے اندھا کر دیا اور وہ سلطنت سے دست بردار ہو غیر تیار ہو گیا اس کے ساتھ ہی اسے پرویز کی بیگناہی معلوم ہوئی۔ فوراً لوگ دوڑے

کہ پرویز کو لاکے تخت پر بٹھائیں ڈھونڈھتے اور پتہ لگاتے ہوئے گرجستان میں پہونچے۔ ہرمز کے نابینا ہو جانے کا برا سنایا اور تاکید کی کہ جلدی چل کے تخت پر بیٹھئے۔ ورنہ دشمنوں کو موقع مل جائیگا ان لوگوں کے مشورے سے پرویز مدائن واپس آکے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا اور شیریں اپنے گھر پہونچ کے ندامت کے ساتھ مہین بانو اور اپنی سہیلیوں سے ملی۔ بہرحال اب بھی دونوں بیتاباں عشق کو موقع نہ ملا۔ شیریں گرجستان میں سردھن رہی تھی اور پرویز مدائن میں ساسانی سر پر شاہی پر +

پرویز کے تخت نشینی کی خبر بہرام چوبینہ کو ہوئی تو مشہور کیا کہ خود پرویز نے باپ کو اندھا کر دیا اور ایسا ناخلف بیٹا فرمانروائی کے قابل نہیں ہو سکتا اس واقعے کو اس نے اس درجہ شہرت دی کہ سارا ملک پرویز کے خلاف ہو گیا اور ایسی نازک حالت میں بہرام فوج لے کے چڑھ آیا پرویز کے بنائے کچھ نہ بنی تاج و تخت چھوڑ کے بھاگا۔ اور شیریں کے شوق میں پھر گرجستان کی راہ لی۔ اب کے مہین بانو کی قلمرو میں پہونچ کے اپنی محبوبہ شیریں سے ملا۔ دونوں ایک دوسرے کے رخ زیبا کے پروانے بن گئے اور مسلسل جشن منائے جانے لگے مئے ارغوانی کا جام گردش کرنے لگا۔ جنگ وار غنون بجتا اور ہر وقت صحبت عیش گرم رہتی۔

دونوں کی صحبت کا رنگ اور ان کا میل جول دیکھ کے ایکدن مہین بانو نے تنہائی میں شیریں کو سمجھایا کہ حسن و جمال کے غرور۔ شباب کے نشے اور عشق و محبت کی ترنگ میں آپے سے باہر نہ گذر اور شہزادوں کے ہاتھ

کا کھلونہ نہ بن پرویز اگر ایران کا شاہزادہ ہے تو تو بھی گرجستان اور ارمن کی شہزادی ہے لہٰذا اپنی اس عزت و حرمت کو ہاتھ سے نہ دے اور پرویز کا یہ عشق اسی وقت تک ہے جب تک اُسے تجھ پر قابو نہیں ملتا ذرا بھی وہ کامیاب ہو گیا۔ تو پھر تیری حالت انھیں لونڈیوں اور کنیزوں کی سی ہو جائے گی جو شاہاں عجم کے محلوں میں بھری رہا کرتی ہیں اپنا بھلا چاہتی ہے تو پرویز جب تک حلالنیہ اصول شرع سے تجھے اپنی ملکہ نہ بنائے اور خاص محل بنانے کا وعدہ نہ کرے اس وقت تک اسے اپنے پنڈے میں ہاتھ نہ لگانے دئے۔ شیریں نے مہین بانو کی نصیحت پر پوری طرح عمل کرنے کا مضبوط وعدہ کیا اور پھر پرویز کے جشن عیش میں جا بیٹھی +

اسی طرح چنگ دار غنوں کا نغمہ بلند ہوا مئے ارغوان کے جام چلنے لگے صدہا پری وش جادو نگاہیں شریک عیش تھیں جن کے ساتھ پرویز و شیریں کوہ و صحرا میں شکار کھیلتے۔ چوگان بازی میں مصروف ہوتے۔ مرغزاروں کی سیر کرتے اور جس جگہ کا منظر بھا جاتا وہاں بیٹھ کر شراب پیتے۔ ان صحبتوں میں پرویز نے بارہا کوشش کی کہ شیریں کو آغوش شوق میں کھینچے اور مئے ارغوانی کے ساتھ مے وصال سے بھی سیراب ہو مگر شیریں دور ہی دور رہتی۔ اور ہمیشہ ایسے موقعوں کو ٹال جاتی آخر ایک دن جبکہ پرویز نہایت ہی مخمور تھا اور آرزوئے وصال میں بیتاب و بے قرار ہو رہا تھا اس نے شیریں کو اپنی طرف کھینچا۔ شیریں

نے اس موقع پر صاف صاف کہہ دیا کہ نہ میں کوئی بازاری عورت ہوں نہ آپ کی لونڈی۔ آبائی تخت و تاج چھوڑ کے آپ یہاں پڑے ہیں اور اپنی اصلی حالت کا اندازہ نہیں کرتے پہلے جاکے باپ کی سلطنت پر قبضہ کیجئے پھر شرعی آئین سے مجھے اپنی ملکہ بنائیے۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ میری آبرو لے لیں اور میں زندگی بھر کے لئے بدنام و نامراد ہوں"

پرویز نے پھر آغوش شوق کھولا۔ اور معشوقہ مہ جبین نے پھر وہی عذر کیا اس میں دیر تک دونوں میں اصرار و انکار ہوتا رہا۔ آخر پرویز کے دل کو سخت صدمہ پہونچا اور طیش میں آکے گرجستان سے چلا گیا مگر ایران کی قلمرو میں قدم رکھنے کی جرات نہ ہو سکتی تھی۔ سیدھا قسطنطنیہ کی طرف چلا تاکہ قیصر سے باپ کی سلطنت حاصل کرنے میں مدد لے۔ قیصر نے اس کے آنے کا حال سنا تو بڑی دھوم سے اس کا استقبال کیا۔ فرزندوں کی طرح گلے لگایا اپنی بیٹی شہزادی مریم اس کے عقد نکاح میں دے دی اقرار کیا کہ وہی خاص ملکہ اور ولی عہد سلطنت کی ماں ہوگی اور اس کے ساتھ کافی فوج اور اپنے زبردست ایک سپہ سالار کو ساتھ کیا۔ کہ مملکت فارس پر اس کا قبضہ کرادے۔ پرویز بی بی اور فوج کو لے کے مملکت عجم میں داخل ہوا۔ بہرام کا رنگ بدلنے لگا رعایا پرویز کی طرف دار تھی جیسے ہی لڑائی ہوئی اور بہرام چوبینہ شکست کھاکے ترکستان اور چین کی طرف بھاگ گیا عنان سلطنت پھر پرویز

کے ہاتھ میں آگئی اور تاج و تخت ساسانی کا وہی مالک تھا۔ لیکن اب اس کے جان و مال کی مالک اور اس کی اصلی ملکہ مریم تھی جو جو رقابت سے خسرو پرویز کو کسی حرم کے پاس جانے بھی نہ دیتی تھی اس اطمینان اور فارغ البالی کے وقت پرویز کو پھر شیریں یاد آئی۔ اس لئے کہ شیریں نے اس کے دل و دماغ میں اتنی جگہ پیدا کرلی تھی کہ بغیر اس کے پرویز کو زندگی بے مزہ معلوم ہوتی۔ مگر دم بخود تھا۔ اور اپنے کئے پر پچتاتا تھا۔ ادھر شیریں بھی اس کے شوق میں حیران تھی۔ اور اپنے آپ کو برا کہتی کہ میں نے اس سے کیوں بگاڑی۔ خلاصہ یہ کہ عشق نے دونوں پر جوش دلوں میں آگ لگا رکھی تھی خسرو رات دن شیریں کی یاد میں سر دھنتا۔ اور شیریں خسرو کے فراق میں زار و قطار روتی اور انگار دل پر لوٹتی۔

اتنے میں مہین بانو مر گئی۔ اور اس کے تاج و تخت کی وارث شیریں ہوئی۔ پھوپھی کے مرنے کا شیریں کو بڑا غم ہوا۔ اس لئے کہ اب اگلی فارغ البالی رخصت ہو گئی اور ذمہ داریوں کا بار خود اس کے نازک اور دکھے ہوئے دل پر پڑ گیا۔ اسی اثنا میں شاپور جس نے پہلے پہل اس کے سادے دل میں محبت و عشق کا ذوق و شوق پیدا کیا تھا۔ پھر پہونچا اور جب اس کے سامنے شیریں نے اپنا درد دل ظاہر کیا۔ تو اس نے کہا "جو حال آپ کا ہے وہی تاجدار عجم شہریار پرویز کا بھی ہے مجبوری سے مریم کے ساتھ بناہ رہے ہیں دراصل وہ اسیر آپ ہی کی زلف گرہ

گیر کے ہیں۔ مناسب تدبیر یہ ہے کہ آپ سلطنت کو کسی معتبر شخص کے قبضے میں چھوڑ کے ایران میں چلیں۔ اور کوہ بے ستون پر اپنے قصر میں رہیں۔ آپ جب وہاں قریب موجود ہوں گی تو مریم کا کچھ زور نہ چلے گا۔ اور ہمارے بادشاہ آپ ہی کے ہو جائیں گے۔" شیریں نے یہ تدبیر پسند کی۔ مدار المہام سلطنت ایک غلام کو بنا کے حکومت و فرمانروائی اس کے ہاتھ میں دیدی۔ اور خود شبدیز پر سوار ہو کے جو کچھ مال و دولت اور زر و جواہر خزانے میں تھا۔ ساتھ لیا۔ اور شاپور کی رفاقت میں ملک ایران کی راہ لی۔ اور منازل سفر طے کر کے اپنے قصر بے ستون میں دولت مندانہ شان و شوکت سے رہنے لگی۔

لیکن مریم پرویز کی اس قدر سخت نگرانی کرتی تھی کہ شیریں کو یہاں آئے ایک مدت ہو گئی مگر دونوں دل از دست دادہ عاشقوں کو ایک دوسرے کا دیدار بھی نصیب نہ ہو سکا۔ خسرو اور شیریں اپنی اپنی جگہ پر دونوں مضطر و مضطرب تھے۔ مگر زور کسی کا نہ چلتا تھا فقط شاپور جا کے پرویز سے ملتا۔ اسی کے ذریعے سے دونوں میں نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور وہ بھی ایسی رازداری کے ساتھ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

آخر ایک دن زندگی سے عاجز آ کے خسرو پرویز نے مریم سے خوشامد اور التجا کے لہجے میں کہا "تمہاری اجازت ہو تو میں شیریں کو اپنے محل

میں لاکے رکھوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ تمھاری لونڈی بن کے رہے گی۔ کبھی تمھاری اطاعت سے باہر نہ ہوگی" مریم نے کہا" مجھے بیوقوف نہ بناؤ۔ اگر شیریں تمھارے ساتھ رہی تو میں کس کام کی رہوں گی؟ مجھے اتنا بے عقل نہ سمجھو کہ خود ہی اپنے پاؤں میں کلہاڑی ماروں گی۔ اور ایک رقیب عورت کو تمھارے پہلو میں لاکے بٹھادوں گی مجھ سے اس کی امید نہ رکھو" پرویز نے پھر اصرار کیا۔ تو وہ مارے غصّہ کے آپے سے باہر ہوگئی اور جواب غصے سے جواب دیا کہ" قیامت تک نہ ہوگا۔ میں کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوں۔ سنو میں صاف صاف کہتی ہوں اور تمھارے کان کھولے دیتی ہوں۔ کہ شیریں نے میرے محل کے اندر قدم رکھا اور اس پر میرا زور نہ چلا تو گلے میں پھانسی ڈال کے اپنی جان دیدوں گی" یہ سن کے خسرو کے ہوش جاتے رہے اور پھر کبھی مریم کے سامنے شیریں کا نام زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوئی۔ ساتھ ہی مریم نے اور زیادہ دیکھ بھال شروع کردی اور اب خسرو کی اتنی مجال نہ تھی کہ چند گھڑیوں کے لئے بھی اس سے جدا ہوسکے

آخر جب پرویز کا مریم پر کچھ زور نہ چلا اور فراق شیریں میں بیقراری و بیتابی حد سے گزر گئی تو ایک دن اس نے شاپور کو بلا کے کہا" اب تو صبر و شکیب کی طاقت نہیں۔ سلطنت عذاب ہے اور زندگی بے مزہ۔ تم ہی ہمیشہ کام آیا کئے ہو۔ اور تمھیں نے شیریں کے شمع رخسار کا پروانہ بنایا ہے مریم کی خوشامد درآمد کی بیعزتی و ذلت

گوارا کی۔ مگر وہ ایسی سنگدل ہے کہ کسی طرح میری حالت زار اور میرے دل بیقرار پر ترس نہیں آتا۔ اب ہم مجبور ہیں۔ کہ اسے فریب دے کے اور اس کے چھپا کے آرزوئے دل حاصل کریں شاپور کسی حکمت و تدبیر سے شیریں کو بھیس بدلوا کے اور چرا چھپا کے یہاں لاؤ۔ تاکہ مریم کا منہ کالا کر کے ہم اسی محل میں صحبت عیش گرم کریں اور شیریں اور میں دونوں ایک دوسرے کے وصال سے شاد کام ہوں۔ شیریں چونکہ ہمیشہ شاپور کے پھسلانے میں آگئی تھی۔ اس نے وعدہ کر لیا کہ میں ضرور کامیاب ہوں گا اور شیریں کو لے آؤنگا۔

یہ وعدہ کر کے شاپور کوہ بے ستون پر قصر شیریں میں پہونچا اور اسیر عشق ملکہ ارمن و گرجستان سے مل کے باتوں باتوں میں اسے پھسلانا اور خسرو پرویز کے وصال کا شوق دلانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حرف مطلب زبان سے نکالا اور کہا اب مریم نہیں راہ پر آتی اور اسی طرح خلل انداز ہے تو اس کے دل کو آزار پہونچانے اور اس کی آرزو کو خاک میں ملانے کے آپ بھیس بدل کر میرے ساتھ اپنی اسی بے رحم سوت کے محل کے اندر چل کے جہاں پناہ سے ملئے اور چپکے چپکے صحبت عیش گرم کر کے بامراد اور شاد کام ہو جئے!!

ایک دن کہلے گا اور مریم کو معلوم ہو گا تو اپنی بے بسی دیکھ کے کیسی انگاروں پر لوٹے گی" شاپور کے یہ الفاظ سن کے شیریں کو غصہ آگیا۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور بولی کہ تم نے یا تمہارے بادشاہ نے مجھے سمجھا کیا ہے؟ میں کوئی آوارہ خانگی ہوں یا بازاری کسبی؟ جو تم

یوں بے شرمی و بیحیائی سے میری آبرو لینے کے درپے ہو؟ سنو میں بھی ایک وسیع ملک اور ایک سرسبز و شاداب سرزمین کی نازپروردہ ملکہ ہوں مجھے نہ پرویز کی سلطنت کی پرواہے نہ اس کے تاج و تخت کی میں محبت کی دیوانی اور الفت کی بندی ہوں۔ جس کی بدولت اپنی سلطنت اور تاج و تخت چھوڑ کے یہاں آئی۔ اور اس کے محل سے کوسوں دور غیر آباد... پہاڑوں اور وادیوں میں اپنا جداگانہ قصر بنوا کے رہتی ہوں کہ شاید قسمت کسی دن موافق ہو تو انتظار اور سفر کی زحمت نہ اٹھانا پڑے مگر پرویز کے دل میں ایسے ناپاک جذبات اور ایسے بشیرمی کے خیالات میں تو مجھے اس کی بالکل پروا نہیں اس سے کہو کہ تیرا تاج و تخت تجھے مبارک تو مریم کو اور مریم تجھے مبارک۔ میرا خیال دل سے نکال اور پھر کبھی میرے اطمینان اور میری خاموشی میں خلل نہ ڈالنا۔ افسوس میں کیسی بدنصیب ہوں؟ اور کیسی شامت زدہ ہوں؟ کہ تیرے جل میں آ کے اور خسرو کی دیوانی بن کے اپنی زندگی خراب کی۔ آہ میری جوانی برباد ہوئی۔ میرا عیش و آرام خاک میں ملگیا بس اس کے لئے رہ گئی ہوں کہ یہاں کے پہاڑوں میں بیٹھ کے مریم کے مرنے کا انتظار کروں اسے جام عیش پیتے دیکھوں۔ اور خون کے گھونٹ پیوں۔ شاپور! یاد رکھو کہ میں مرجاؤں گی۔ مگر اس بیعزتی اور ذلت و رسوائی کو ہرگز گوارا نہ کروں گی یا تو پرویز کی منکوحہ بی بی۔ اس کی معززہ محبوبہ۔ اور اس کی خاص ملکہ بنوں گی اور یا اسی حرمان نصیبی میں جان دوں گی۔ پرویز سے کہدو کہ اگلے عیش اور

اگلی صحبتوں کو بھول جائے اور یہ سمجھے کہ شیریں مر گئی۔ اب اگر اس نے یہاں آنے کا قصد بھی کیا تو نہ ملوں گی اس قصر بسیتوں کے اندر وہ قدم نہ رکھنے پائے گا۔ اور نہ کبھی شیریں کی صورت دیکھیگا۔ اور نہ خبردار تم کبھی یہاں آنا۔ میں نے تمکو اور تمہارے بادشاہ دونوں کو چھوڑا۔" یہ سن کے شاپور کو تمام زبان آوری بھول گئی اس کی خوشامد کرنے لگا اور کہا " مریم کی طرح تم بھی اپنے نیم جان دستم زدہ عاشق کے حق میں بے رحم نہ ہو جاؤ۔ اس کی زندگی خراب ہے۔ نہ راتوں کو نیند آتی ہے اور نہ دن کو کسی حال میں چین پڑتا ہے ملکہ جہاں آپ بصد آرام میں ہیں۔ یہاں کے ایک کونے میں خاموش بیٹھی ہیں اور کوئی آپ کے افکار و مشاغل میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ اس اطمینان سے بھی محروم ہیں۔" شیریں "ہوں۔ مجھے کیا۔ میں اس کی ذمہ دار نہیں میں نے پہلے بھی کہ دیا تھا اور صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ مجھے انسے کسطرح اور کسی صورت میں نبھ سکے گی اسی پردہ بجکے چلے گئے اور قسطنطنیہ میں جاکے مریم سے شادی کر لی۔

شاپور " اچھا تم کو وہاں چلنا نہیں گوارا ہے تو میں خود حضرت جہاں پناہ کو یہاں لے آؤں وہ کوئی نہ کوئی جبکہ بہانہ کرکے ضرور آئیں گے

شیریں " ہر گز نہیں۔ اب تو جب تک مریم ان کے محل میں موجود ہے قصر شیریں کا دروازہ ان کے لئے نہیں کھل سکتا۔ ان کو منع کر دینا کہ ہرگز ادھر کا قصد نہ کریں۔ اور آئیں گے تو نامراد واپس جائیں گے اور یہ بھی کہ دینا کہ اگر میں یہاں ستائی گئی تو اپنے وطن چلی جاؤنگی +

شاپور شیریں کی یہ آشفتہ مزاجی اور برہمی دیکھ کے خاموش ہو رہا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس جا کے یہ سب گفتگو خسرو پرویز سے بیان کر دی اسے معشوقہ شیریں ادا کی اس برہمی سے بڑی مایوسی ہوئی اور پھر اسی طرح اس کی یاد میں سر دھننے لگا۔

شاپور شیریں کی یہ آشفتہ مزاجی اور برہمی دیکھ کے خاموش ہو رہا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس جا کے یہ سب گفتگو خسرو پرویز سے بیان کر دی اسے معشوقہ شیریں ادا کی اس برہمی سے بڑی مایوسی ہوئی اور پھر اسی طرح اس کی یاد میں سر دھننے لگا۔

اب شیریں اپنے قصر بے ستون میں اور خسرو پرویز اپنے ایوان شہریاری میں ایک دوسرے کے شاکی اور ایک دوسرے کے غم ہجراں میں مبتلا تھے کہ ایک نیا گل کھلا شیریں کو نزاکت طبع کی وجہ سے دودھ کے سوا کوئی غذا مرغوب نہ تھی اور اس کا قصر پہاڑ کے ایک ایسے ٹیلے پر تعمیر ہوا تھا جس کے چاروں طرف گہری گھاٹیاں تھیں اور سنگستانی نشیب و فراز اور کوہستانی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہاں تک پہونچنا دشوار تھا اور جو جانا چاہتا دیر سے پہونچ سکتا مویشیوں کا گلہ ایک ایسے مرغزار میں تھا جہاں سے قصر میں تازے دودھ کا پہونچنا بہت ہی مشکل تھا۔ جو لونڈیاں روزانہ دودھ لانے پر معمور تھیں ان کو بڑی محنت پڑتی اور پھر بھی دودھ وہاں پہونچتے پہونچتے خراب ہو جاتا اس کی شکایت شیریں نے شاپور سے کی۔ اور کہا "یوں تو میں ہر طرح پر بدنصیب ہوں مگر دودھ نہ ملنے سے اور ہلاک ہو رہی ہوں۔ چراگاہ

تک کوئی ایسا سیدھا اور صاف راستہ نکلتا کہ لونڈیاں آسانی سے دودھ لے آیا کریں اور اگر دودھ کے یہاں پہونچنے کا کوئی معقول انتظام ہو جاتا تو میں تمہاری نہایت شکر گذار ہوتی ۔

شاپور نے کہا میرا ایک بچپن کا رفیق ہے فرہاد وہ ایک عدیم المثال مصور، معمار اور کوہکن ہے۔ پتھر اس کے آگے موم ہے ان کمالات میں دنیا بھر میں کوئی اس کا مد مقابل نہیں اگر اس سے کہا جائے تو مجھے یقین ہے کہ چراگاہ کے مرغزار سے حضور کے قصر تک ایک ایسی نہر کھود دیگا کہ اس میں اگر وہاں سے دودھ ڈالا جائے تو دم بھر میں سب کا سب یہاں پہونچ جائے گا۔ شیریں نے کہا اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے تو اسے بلوا دو۔ شاپور نے کہا بہت خوب اور دوسرے دن فرہاد کو لا کے قصر شیریں کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ شیریں چلمن کی آڑ میں بیٹھی سامنے فرہاد کو عزت سے بٹھایا اور اس سے اپنی ضرورت بیان کی۔

شیریں کی آواز ایسی دلکش تھی اور اس میں اس بلا کا نغمہ تھا کہ جو سنتا فریفتہ ہو جاتا۔ چنانچہ اس کی آواز سنتے ہی فرہاد دل ہاتھ سے کھو بیٹھا اور اس سے کچھ ایسی بیتابی و بیقراری ظاہر ہوئی کہ شیریں بھی سمجھ گئی اور ایک ناز و ادا کے لہجے میں اس سے فرمائش کی کہ میرے گلے کی چراگاہ سے اس قصر تک ایک ایسی صاف اور سیدھی نہر کھود دو کہ دودھ وہاں ڈالا جائے تو دم بھر میں بہ کے یہاں آجائے۔ اور یہ مصیبت دور ہو جو دودھ کے نہ ملنے سے پیش آرہی ہے فرہاد کے دل ناصبور کو کیا عذر ہو سکتا

تھا۔ فوراً قبول کر لیا۔ اور تیشہ کندھے پر رکھ کے چلا کہ معشوقہ دلربا کے حکم کی تعمیل کرے۔

فوراً اس نے چراگاہ سے قصر تک ایک سیدھا خط قائم کر کے اونچی چٹانوں کو کاٹنا اور نیچی گھاٹیوں کو پاٹنا شروع کیا اس جانکاہ کام میں ہر وقت شیریں کی آواز اس کے کان میں گونجتی رہتی اس کی خیالی تصویر آنکھوں کے سامنے ہوتی اور تیشے کی ہر ضرب شیریں کا نام لے کے لگاتا غرض دل میں ایسا ذوق و شوق تھا کہ عشق کی معجز نمائی نے ایک ہی مہینے میں اس کے ہاتھ سے جوئے شیر جاری کرا دی۔ ساتھ ہی سارے کوہ و دشت اور گرد و نواح کی بستیوں میں اس کے عشق کی بھی شہرت ہو گئی ہر گھر میں اس کے واقعے بیان کئے جاتے اور ہر زبان پر اس کی بیتابیوں کا تذکرہ تھا اس نہر کو اول سے آخر تک سنگ رخام جڑ کے اور ایسا مناسب ڈھلاؤ قائم کر کے اس خوش اصلوبی سے بنایا تھا کہ جو دیکھتا نقش حیرت بن جاتا اس نہر کی مسافت تقریباً دو فرسخ یا پانچ میل کی تھی قصر کے پاس سنگ رخام کا ایک خوبصورت حوض بنایا تھا جس میں دودھ کر کے جمع ہو جاتا اور چراگاہ سے اس کی گوالنیں جتنا دودھ ڈالتیں یہ کے قصر کے حوض میں پہونچ جاتا تھا۔

شیریں نے اس نہر اور حوض کو دیکھا اور اس کے ذریعے سے آپ سے آپ دودھ پہونچنے لگا تو بہت ہی خوش ہوئی اور فرہاد کو اپنے

سامنے بلوا کے بے انتہا شکریہ ادا کیا۔ اس کے کمال کی حد سے زیادہ تعریف کی اور کانوں کی انتیوں میں سے چند لعل شب چراغ اور گوہر بے بہا نکال کے اسے دئے اور کہا "میری شکر گذاری کی یادگار میں اس ہدیہ کو قبول کیجئے"۔

فرہاد نے شکریے کے ساتھ ان جواہرات کو تو لے لیا۔ مگر لیتے ہی شیریں کے قدموں پر نچھاور کر کے ڈال دیا۔ اور یہاں سے اٹھا تو جوش جنوں میں کوہ و بیابان کی راہ لی ہر قدم پر شیریں کا نام لے کے پکارتا غم فراق میں سینہ کوبی کرتا اور انسان کی صورت سے بھاگتا۔ چند ہی روز میں کوہ و صحرا اس کی آہ و زاری سے گونج اٹھے اور دنیا بھر میں اس کے عشق کی دھوم ہو گئی۔

اب لوگوں نے یہ خبر پرویز کو پہونچائی۔ اور کہا اس کے آتشبار نالوں سے پہاڑوں کے سینے شق ہوئے جاتے ہیں تو شیریں کے نازک دل پر کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ خسرو پرویز یہ ماجرا سنکر بہت پریشان ہوا پہلے ارادہ کیا کہ اپنے اس کوہکن رقیب کو مروا ڈالے مگر دل میں فیصلہ کر اس کا خون خطرے سے خالی نہیں۔ قاصد بھیجے کہ کوہ و دشت میں جہاں ملے ڈھونڈھ کے اسے میرے پاس لاؤ۔ دیکھوں تو کیسا آدمی ہے لوگ گئے پہاڑوں کی خاک چھان کے اسے ڈھونڈھ نکالا۔ اور کہا چلو تمھیں صاحب تاج و تخت خسرو پرویز نے بلایا ہے"۔ اس نے کہا "جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ میں شیریں کے سوا کسی کو جانتا ہی نہیں۔ نہ مجھے بادشاہ

سے مطلب نہ وزیر سے میں کسی کے پاس جا کے کیا کروں گا؟ ہرکارہ قاصدوں نے کہا کہ حضور جہاں پناہ تمھیں ملکہ جہاں شیریں سے ملائیں گے اور اس کے جمال جہاں آرا کی زیارت کرائیں گے۔ شیریں سے ملنے کی تمنا ہے۔ تو جہاندار پرویز کے پاس چلو۔ اب کیا عذر ہو سکتا تھا۔ فرہاد نے مدائن کی راہ لی۔ اور ساسانی قصر شہریاری میں جا کے پرویز سے ملا۔ پرویز نے اس کا وحشناک چہرہ دیکھا۔ اس کے جنوں زادوں کے دیکھے اور طرح طرح کے سوالات شروع کئے۔ فرہاد ہر سوال کا ایسا چبھتا ہوا جواب دیتا کہ پرویز اپنا منہ لے کے رہ جاتا۔ اس کے ہر کلمہ جوش اور ہر ولولہ خیز جواب پر پرویز عشعش کر جاتا۔ اور کوئی جواب نہ بن پڑتا۔ اس نے ہزار کوشش کی کہ فرہاد شیریں نے خیال سے دست بردار ہو جائے مگر کامیابی نہ ہوئی +

پرویز نے رقیب کی یہ حالت دیکھی تو بہت گھبرایا اور پھر ارادہ کیا کہ کسی تدبیر سے اسے مروا ڈالنا چاہیئے۔ ورنہ یہ میرا عیش بے مزہ کر دے گا۔ مشیران سلطنت سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا "اس کا قتل حضور کو اسی قدر بدنام کر دیگا جسقدر کہ اس کے عشق کی شہرت ہو چکی بہتر یہ ہے کہ اسے کسی ایسے کام میں لگا دیجئے جس کا پورا ہونا غیر ممکن ہو اور اگر اس کام کے کرنے میں عذر یا تامل کرے تو شیریں کا واسطہ دلائیے۔ شیریں سے ملانے کا وعدہ کیجئے خواہ مخواہ قبول کرے گا۔ پھر اس کے بعد نہ وہ کام کبھی ہو چکیگا اور نہ اس کی نوبت آئے گی کہ

یہ اپنا وعدہ پورا کرانے کے لئے دربار میں آئے خسرو کو یہ تدبیر بہت ہی اچھی معلوم ہوئی اور فرہاد سے کہا اچھا ایک بات سنو میرے راستے میں کوہ بے ستون پڑتا ہے جس کی وجہ سے مجھے اپنے مشرقی صوبوں میں سخت دشواری ہے تم تو اعلیٰ درجہ کے مہندس اور یکتائے روزگار کوہکن ہو اگر توجہ کروگے تو دم بھر میں اس پہاڑ کو کاٹ کے برابر کر دوگے اور مشرق کی طرف جانے کا صاف ستھرا راستہ بن جائیگا۔ فرہاد نے اس کو قبول کرنے میں ذرا تامل کیا تو پرویز نے کہا میں تمھیں اسی محبوبہ پری شیریں کا واسطہ دلاتا ہوں جسکے لئے تم نے جوئے شیر جاری کی ہے کہ میرے لئے کوہ بیستون کو بیخ و بن سے کاٹ کے پھینک دو۔" فرہاد نے جوش عشق میں کہا "اچھا اگر آپ وعدہ کریں کہ شیریں کے عشق سے دست بردار ہوکے اس محبوبہ کو میرے لئے چھوڑ دیں گے تو وعدہ کرتا ہوں کہ جہاں تک بنے گا۔ آپ کا یہ سوال پورا کردوں گا۔ فرہاد کی اس بیباکانہ درخواست پر خسرو کو بڑا غصہ آیا۔ مگر اس غصے کا اظہار مناسب نہ معلوم ہوا اور وعدہ کر لیا کہ اگر تم کوہ بے ستون کو کاٹ ڈالوگے تو میں شیرین کے عشق سے دست بردار ہو جاؤنگا۔ اور اسے تمھارے حوالے کر دونگا۔

اب کیا تھا؟ فرہاد اپنا تیشہ لے کے چلا۔ اور کوہ بیستون کو کاٹنا شروع کیا اور عشق نے اس بلا کی دھن پیدا کر دی تھی کہ تھوڑے ہی زمانے میں پہاڑ کو اوپر سے نیچے تک کاٹ کے بہت ہی وسیع اور صاف ستھرا راستہ نکال دیا۔ اسی قدر نہیں اس نے اپنے عشق کی فرمائش سے اس

سڑک کے پہلو میں چٹانوں میں کھود کھود کے خسرو پرویز کے لشکر شکارگاہ اور شیریں مہ جبیں کی تصویریں ایسے کمال چابکدستی سے بنا دیں کہ دیکھنے والے عش عش کر جاتے +

فرہاد بیستون کو شیریں کا نام لے لے کے کاٹ رہا تھا کہ کسی نے جا کے شیریں کو خبر کی کہ تمہارا عاشق اس سر بفلک پہاڑ کو تمہارا نام لے لے کے کاٹے ڈالتا ہے جو اصل واقعہ سے آگاہ نہ تھی مگر دل میں یہ خیال نقش تھا کہ یہ میرا عاشق جاں باز ہے۔ گھوڑے پر سوار ہو کے اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ اس مقام پر گئی جہاں فرہاد کوہ کنی کر رہا تھا تا کہ اس کی سنگ تراشی کی شان دیکھے۔ فرہاد کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ محبوبہ حور تمثال اپنے عاشق محزوں کی کوہ کنی کا تماشا دیکھنے کو آئی ہے دوڑ کے اس کے گرد پھرنے اور اس پر صدقے ہونے لگا۔ شیریں نے پوچھا" یہ پہاڑ تم کیوں کاٹ رہے ہو؟ فرہاد نے ساری سرگذشت اوّل سے آخر تک بیان کر کے کہا کہ اے پری پیکر نازنین یہ سب تمہارے آفت روزگار حسن کی کرشمہ سازی ہے شیریں کو اس کے حال پر ترس آیا۔ تسلّی دی۔ تشفی کی۔ اور واپسی کے لئے گھوڑے کو پھیرا گھوڑا بھڑک کے گرا۔ اور قریب تھا کہ پہاڑ کے نیچے جا گرے اور سوار اور گھوڑے دونوں کا پتہ نہ لگے مگر فرہاد نے کمال پھرتی سے بڑھ کے گھوڑے کو مع شیریں کے گود میں اٹھا لیا۔ اور عشق نے ایسی غیر معمولی قوت پیدا کر دی کہ اسی طرح اٹھائے ہوئے اس کے قصر بے ستون میں

پہونچا آیا۔ اس واقعے نے شیریں کے دل پر جیسا اثر کیا ہوگا ظاہر ہے
اب کوہ بے ستوں کا وہ قلعہ جسے کاٹتا تھا کٹ کے زمین کے
برابر ہوگیا اور سڑک تیاری کے قریب ہے کسی نے خسرو پرویز سے
جا کے کہا۔ جہاں پناہ نے کچھ اور بھی سنا؟ کوہ بیستون کھد کے غائب ہو
گیا۔ راستہ ہموار ہو رہا ہے۔ اور آج ہی کل میں فرہاد آکے متقاضی
ہوگا۔ کہ میں نے شرط پوری کردی۔ اب جو وعدہ مجھ سے کیا گیا ہے پورا
کیا یہ سنتے ہی پرویز کے حواس جاتے رہے نہایت ہی اضطراب کے
ساتھ مشیروں سے کہا اب کیا ہوگا؟ خدا کے لئے کوئی تدبیر بتاؤ۔ اگر وہ
آکے کھڑا ہوگیا۔ اور وعدہ فائی کا تقاضا کیا تو میں کیا جواب دونگا کسی
سنگدل مشیر نے کہا "جہاں پناہ پریشان نہ ہوں میں اس کام کو اپنے
ذمہ لیتا ہوں اور اس کی نوبت نہ آنے پائے گی کہ فرہاد یہاں تک آئے
اس کے بعد اس شخص نے کیا دو متفنی لوگوں کو بھیجا جو کوہ بیستوں پر
جہاں فرہاد کوہ کنی کر رہا تھا۔ گئے اور اس کے قریب کھڑے ہوکے آپس
میں کہنے لگے "خوب! شیریں تو مرگئی۔ اور عاشق صاحب کھڑے کوہ کنی
کر رہے ہیں!" یہ الفاظ نہ تھے تیر و نشتر تھے۔ جو زہر آلود زبان سے
نکلتے ہی فرہاد کے دل و جگر میں تیر گئے۔ دیر تک وہ جور فلک کا شکوہ
اور اپنی نامرادی کی شکایت کرتا رہا اور اس کے بعد وہی تیشہ جس سے
کوہ بیستون کو کاٹا تھا اپنے سر پر مار لیا۔ اور اسی جگہ گر کے جان دیدی
شیریں نے عاشق نامراد فرہاد کی موت کی خبر سنی تو خون کے آنسو

بہانے لگی بیحد صدمہ ہوا۔ کمال اضطراب کے ساتھ خود دوڑی گئی اسے بڑے اہتمام سے دفن کیا اس کی قبر پر ایک عالیشان مقبرہ تیار کرایا اور سیہ پوش ہو کے اس کے غم میں ماتم کرنے لگی۔ خسرو نے یہ سنا تو دلیں بہت کڑھا اور آخر اس کے پاس ایک طعن بھرا خط بھیجا جس میں لفظ لفظ پر چٹکیاں لی تھیں اور خاتمہ پر لکھا تھا فرہاد مر گیا تو کیا ہوا اور چاہنے والے تو موجود ہیں۔

اتفاقاً اسی زمانے میں پرویز کی رومی ملکہ مریم مر گئی جس کے نسبت کہتے ہیں کہ خود شیریں نے اپنی نامرادی سے عاجز آکے سازش سے اسے زہر دلوا دیا تھا۔ پرویز اس کے غم میں جب معمول سیہ پوش تھا اور تاج و تخت سے بیزاری ظاہر کر رہا تھا کہ شیریں کا خط ملا جسمیں لکھا تھا "مریم کے لئے زیادہ نہ روئیے آپ کے حرم میں ویسی بہت سے کنیزیں اور ایک سے ایک بڑھی مہ جبین عورتیں موجود ہیں نہ تاج سے بیزار ہونے کی ضرورت ہے۔ نہ تخت سے خفا ہونے کی جسے خدا نے ہزاروں پری جمال مہ وشیں دی ہوں۔ اس کا ایک کے سوگ میں سیہ پوش ہونا اور رونا بیفائدہ ہے یہ خط پڑھ کے خسرو نے کہا "بیشک یہ میرے خط کا جواب اور جواب ترکی بہ ترکی ہے"

اب پرویز کے دل میں پھر جوش پیدا ہوا۔ کہ شیریں کو اپنے محل میں لائے مگر شیریں نے اب بھی شرط پیش کی کہ مجھ سے ملنے کا شوق ہے تو حسب آئین ساسانی نکاح اور شادی کے باقاعدہ طریقہ

سے مجھے اپنی بانوئے سلطنت اور ملکہ عجم بنائیے۔ بغیر اس کے آپ کی ہوس پوری ہونا غیر ممکن ہے۔ خسرو معلوم ہوتا ہے کہ وزرائے سلطنت اور اعیان مملکت سے ڈرتا تھا۔ جو اس کے خلاف تھے۔ کہ کوئی بیرونی عورت جہاندار عجم کی منکوحہ بی بی اور ملکہ جہاں بن جائے اس دشواری سے مجبور ہو کے پرویز نے ارادہ کیا کہ شیریں کے علاوہ کوئی اور محبوبہ ڈھونڈھ نکالے۔

ان دنوں اس کی سلطنت زور و شور پر تھی قسطنطنیہ تک فتح و نصرت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اور دنیا میں کسی کی مجال نہ تھی کہ خسرو عجم کی ہمسری کا نام بھی زبان پر لائے جب اسے کسی نئی پری جمال محبوبہ کی تلاش ہوئی تو عہدہ داران سلطنت ہر طرف پتہ لگانے لگے۔ آخر معلوم ہوا کہ اصفہان میں شکر نام ایک عدیم المثال محبوبہ نازک اندام ہے جو حسن و جمال میں جواب نہیں رکھتی مگر عیب یہ ہے کہ کسی پر بند نہیں ایک بازاری عورت کی طرح ہر ادنی و اعلیٰ سے ہم آغوش ہو سکتی ہے۔ باوجود اس عیب کے خسرو نے اس کے حسن کی اسقدر تعریف سنی تھی کہ ایک سال تک تو خاموش رہا اور کسی کے سامنے اس کا نام بھی زبان پر نہ لایا۔ لیکن سال ختم ہوتے ہی اس نے لباس شاہی اتار کے معمولی امیروں کا بھیس کیا اور سب سے چھپ کے اصفہان کی راہ لی وہاں پہنچ کے شکر کی حالت دیکھی۔ عوام سے اس کے حالات دریافت کئے اور جب سنا کہ وہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے آغوش شوق

کھول کے ملتی ہے تو اس کے گھر پہونچا +

شکر کے پاس صدہا پری پیکر اور صاحب جمال کنیزیں تھیں۔ جو کوئی اس کے گھر جاتا اس سے باخلاق پیش آتی۔ پہلو میں بیٹھ کے میٹھے گلفام پیتی اور پلاتی اور جب رات زیادہ آتی تو خلوت گاہ میں لے جاتی جہاں چراغ گل ہوتا اور اس شخص کی رات ہم آغوشی و کامرانی میں بسر ہوتی۔ یہی واقعات پرویز کو بھی پیش آئے۔ صبح کو رخصت ہوتے وقت پرویز نے اس سے شکایت کی کہ تم میں سب خوبیاں ہیں مگر یہ بڑا عیب ہے کہ ہر شخص کے لئے آغوش شوق کھول دیتی ہو شکر نے ہنس کے جواب دیا کہ آپ کو بھی سارے زمانے کی طرح دھوکا ہوا میں پاکدامن باعصمت اور عفیفہ ہوں۔ اس ہرجائی پن کے انداز سے میں زمانے کا امتحان لے رہی ہوں اس کی حقیقت یہ ہے کہ میں ملتی تو ہر شخص سے ہوں مگر میرے پنڈے کو آجتک کوئی ہاتھ نہ لگا سکا۔ خدا نے جیسا دوشیزہ پیدا کیا تھا ویسی ہی آجتک ہوں اور یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ خلوت میں ہر شخص کے ساتھ جاکے میں شب باش ہوتی ہوں یہ دھوکا ہے خلوت میں جانے والی میں نہیں میری کوئی کنیز ہوا کرتی ہے

یہ واقعات سن کے پرویز کو حیرت ہوگئی۔ اس سے رخصت ہو کے مدائن میں واپس آیا۔ اور اسی وقت حاکم اصفہان کے نام فرمان بھیجا کہ شکر کو فوراً سوار کرا کے میرے پاس بھیجو اور اس کے مفصل

و مشرح حالات لکھو"۔ اس حکم مطابق حاکم اصفہان نے شکر کو سوار کرا کے شان و شوکت سے مدائن کے ایوان خسروی میں بھیجا۔ اور اپنی عرض داشت میں تصدیق کی کہ شکر حسن و جمال کے ساتھ دوشیزہ و عفیفہ ہے اور شریف خاندان کی لڑکی ہے"۔ شکر مدائن میں آتے ہی حرم شاہی میں داخل ہو گئی۔ پرویز نے اسے جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا اور چند روز وہی اس کی محبوبہ تھی شب و روز اسی کی صحبت میں رہتا اور دنیا و ما فیہا سے بےخبر تھا۔

شیریں اسی طرح اپنے قصر میں بیٹھی رویا کرتی اس نے شکر کے آنے اور بادشاہ کی محبوبہ بننے کا حال سنا مگر سوا دل پر کوفت اٹھانے کے زبان سے اُف نہ کی۔ مگر پھر بھی مجبور رہتی جب اکیلی ہوتی تو اپنی قسمت پر روتی۔ جوان نصیبے پر نالہ و فریاد کرتی۔ کہتی کہ افسوس جوانی مفت رائگان ہوئی۔ پرویز کے جال میں پھنس کے میں کہیں کی نہ رہی عہد شباب کے گزر جانے کے بعد وصال ہوا بھی تو کیا! اور پرویز نے جوانی کھو کے بڑھاپے میں میری طرف توجہ بھی کی تو کیا حاصل ہوگا؟ کبھی اپنی اس ضد پر جھنجھلاتی کہ میں خواہ مخواہ کو کیوں ایسی شرط لگاتی ہوں۔ جو اسے منظور نہیں ہے کبھی کہتی کہ خودداری ہو چکی اب چلو اس کے آگے ہاتھ جوڑوں۔ کہ میرا قصور معاف کرو میں ہر حال میں راضی ہوں مجھے لونڈی ہی سمجھ کے اپنے پاس رکھ لو۔ لیکن جب مہین بانو کی نصیحت یاد آتی۔ اور اپنی شاہزادگی کا خیال آتا تو یہ

سب خیالات غائب ہو جاتے۔ اور پھر اپنی ضد پر قائم ہو کے دل میں کہتی چاہے مرجاؤں مگر یہ نہ ہوگا کہ ایسی ذلت گوارا کروں +

شیریں کو اس پریشانی میں چند ہی روز گذرے تھے کہ پرویز کا دل شکر کی صحبت سے بھر گیا اب نہ اس سے ملنے جلنے میں وہ لطف رہا نہ اس کی ناز و ادائیں وہ دلبری۔ پھر شیریں یاد آئی اور دلمیں کہا جس محبوبہ سے سچی مسرت حاصل ہو۔ اور جو زندگی بھر میرے دل کی مالک رہے وہ شیریں کے سوا کوئی نہیں جب یہ خیال حد سے زیادہ بڑھا۔ اور ہر گھڑی ایک بیقراری رہنے لگی تو ایک زبردست لشکر اپنے ساتھ لے کر بڑے کروفر سے اور پورے جلوس سے شکار کے بہانے مدائن سے نکلا اور دو چار روز اِدھر اُدھر کی خاک اڑا کے قصر شیریں کے قریب جا پہونچا +

شیریں نے جیسے ہی بادشاہ کی آمد سنی گھبرا گئی۔ اگرچہ دل میں حد سے زیادہ بیتاب تھی اور اپنی خودداری و بدسلوکی پر پچھتاتی تھی۔ مگر جوش عصمت اور شاہی حمیت نے پھر یہی مشورہ دیا کہ چاہے کچھ ہو مفت آبرو دینا مناسب نہیں فوراً قصر کا پھاٹک خوب مضبوطی سے بند کروالیا۔ اور دربان کو تاکید کردی کہ خبردار دروازہ نہ کھولنا اس کے بعد بالاخانے پر جو بیرونی میدان کے سامنے تھا۔ پرتکلف پردے ڈال کے خود آ بیٹھی اور پرویز کے آنے کا انتظار کرنے لگی +

پرویز نے یہاں پہونچکے جب دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور کوئی بات نہیں پوچھتا۔ تو اسے سخت تعجب ہوا اتنے میں معلوم ہوا کہ شیریں سامنے

کوٹھے پر بیٹھی ہے۔ کمال ذوق وشوق سے اس کوٹھے کے نیچے جاکے بنیابیوں کی وضع میں کھڑا ہوا نظر اوپر اٹھا کے دیکھا جو پردہ دل میں چُبھ کر رہ گئی۔ آخر جوش وخروش کے لہجے میں کہنے لگا "شیریں! ناز آفریں شیریں!! میرے ساتھ یہ بدسلوکی کیوں ہے؟ مانا کہ تم بدر کامل ہو اور چاند اوپر ہی ہوتا ہے مگر بیوی دنیا میں لوگ مہماں نوازی بھی کرتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرو کہ میں کوئی معمولی مہماں نہیں عالی مرتبہ شہنشاہ ہوں"۔

شیریں نے اوپر سے کہا "پھر وہی غرور! پھر وہی دعوئے سلطنت! اگر یاد رہے کہ جس سلطنت پر آپکو ناز ہے اسے میں کسی کے عشق میں لات مار دی۔ یہ بھی جانے دیجئے آپ کسی ملک کے فرمانروا ہیں تو میں بھی سریر حسینان جہان ہوں۔ بڑ دیر تک اسی طرح کی گفتگو ہوتی رہی اور بڑے جوش وخروش سے رد وقدح کا سلسلہ جاری تھا۔ پرویز بات بات پر فرہاد کی محبت کے طعنے دیتا۔ اس کے جواب میں شیریں مریم اور شکر کے واقعات بیان کرکے چٹکیاں لیتی۔ پرویز گفتگو میں ہار ہار کے بار بار کہتا کہ خیر گذشتہ را صلوات اب بھی کچھ نہیں گیا ہے عشق وشباب کا لطف باقی ہے چہروں پر شباب کا نور اور دلوں میں عشق کی شراب بھری ہوئی ہے میرے آغوش شوق میں آؤ۔ اور میری صحبت عیش گرم کرو شیریں جواب دیتی اس خوبصورت چہرے اور محبت بھرے دل ہی سے تو میں ڈرتی ہوں میری شرط کو یاد کیجئے۔ اور یہ ذہن نشین رہے کہ جب تک نکاح نہ ہو جائے آپ کی میرے پاس آنے میں رسوائی ہے۔ میں نے آپ کو دل دیا۔ مگر آبرو نہ دوں گی خسرو اس شرط کو ٹال کے بار بار وصال کا طالب ہوتا اور خوشامد ودلجوئی میں کوئی

بات نہ اُٹھا رکھتا۔ آخر شیریں نے جھنجھلا کے قسم کھالی اور حلف کیساتھ کہا :" اگرچہ آپ شہنشاہ بحروبر ہیں۔ مگر میں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ جبتک آپ حسب آئین ساسانی باقاعدہ طور پر میرے ساتھ نکاح نہ کریں گے میں آپکو اپنے پاس نہ آنے دوں گی۔" پرویز نے اس کو اسقدر سخت دیکھا تو تاج سر سے اتار کے اس کے آگے زمین پر رکھ دیا اور ہاتھ جوڑ کے کہا :" خدا کے لئے میری التجا سنو۔ میں تم سے بیوفائی نہ کروں گا اور ہمیشہ تمہارا غلام رہوں گا " شیریں نے کمال مستقل مزاجی سے کہا " یہ سب باتیں بیفائدہ ہیں پہلے نکاح کیجئے پھر مجھسے باتیں کیجئے "۔

پرویز کو اپنی اس ناکامی پر اسقدر صدمہ ہوا کہ زار و قطار رونے لگا اور روتا ہوا اپنی فوج میں واپس گیا وہاں پہونچکے شاپور سے کہا " افسوس میں شیریں کو اسقدر سنگدل اور بے مہر نہ جانتا تھا۔ میں نے تاج تک اتار کے زمین پر رکھدیا اور اس نے پروا نہ کی " شاپور نے کہا " جہاں پناہ ! شیریں کو ملکہ بنئیں ہے اسے اپنے حسن پر بڑا غرور ہے اور حضور کی گذشتہ دل آزاریوں نے اسے اور زیادہ سخت کر دیا ہے۔ لیکن حضور اپنے دل میں سوچیں تو سہی کہ وہ کیسی معشوقہ پریجمال ہے ؟ اور معشوقوں کا عشوہ و ناز کے سوا کام ہی کیا ہے "

پرویز ہر وقت نشۂ صہبا سے مخمور رہتا جس کا یہ لازمی اثر تھا کہ سارا لشکر عجم اور اس کا ہر ہر سپاہی شراب کا دلدادہ تھا۔ فوج کے خیمہ زن ہوتے ہی شاہی خیمے سے لے کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ چھولداری تک ہر جگہ شراب کا دور چلنے لگا۔ اور جتنے آدمی تھے دم بھر میں مست و بیخود دکھتے اسوقت

شیریں نے لشکر گاہ کے اندر قدم رکھا اور سیدھی شاہی خیمے کے سامنے جا پہونچی اتفاق کی بات سب سے پہلے جسکی نظر اس پر پڑی شاپور تھا دوڑ کے قریب آیا اور کہا "کون" کہا کیا بتاؤں کون ؟ اپنے کئے پر پچھتانے والی ! اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارنے والی ! اور کیا کہوں ؟ شاپور آواز پہچانتے ہی زمین پر گر پڑا اور کہا حضور نے کیوں تکلیف کی ؟ اسے رازدار جان کے شیریں نے اپنے دل کی حالت بیان کی اور کہا "شاپور کیا کہوں دل نے مجبور کر دیا۔ اب تک بہت ضبط کیا۔ مگر اب نہیں ہو سکتا۔ پرویز کے واپس آتے ہی میں ضبط پر پچھتانے لگی اور یہاں تک بیتاب ہوئی کہ بھیس بدل کے آئی ہوں کہ اس کے لشکر میں رہ کے دور ہی سے اس کا جلوہ دیکھ لیا کروں"

شاپور نے کہا آپ پریشان نہوں میں اسیوقت لیچل کے آپکو ملائے دیتا ہوں وہ اگرچہ ناراض ہو کر آئے ہیں۔ مگر یہ چاندسی صورت دیکھتے ہی پروانے کی طرح نثار ہونے لگیں گے۔ شیریں نے کہا یہ نہ ہوگا۔ ہزار کچھ ہو مجھے ابھی اپنی بڑ کا خیال آجاتا ہے ادھر دل میں بے صبری پیدا ہوئی اور ادھر مبین بانو کی صورت سامنے آکے لعنت ملامت کرنے لگی۔ اس لئے مجھے پرویز کی محفل میں کسی ایسی جگہ چھپا کے بٹھا دو کہ اسکی نظر نہ پڑنے پائے تاکہ میں اس کی حالت دیکھوں اور اندازہ کروں کہ عیش میں اسے کبھی میں بھی یاد آتی ہوں یا نہیں"

شاپور "بہت خوب میں اس کا پورا انتظام کر دوں گا حضور شہریار اسوقت آرام فرما رہے ہیں۔ دم بھر میں اٹھیں گے اور محفل نشاط و طرب گرم ہو گی دونوں دونوں صاحب کمال مطرب بار بد اور نکیسا موجود ہیں۔ اپنے اپنے نغمہ و سرود

کا کمال دکھائینگے شہریار کے تخت کے مقابل جو خوبصورت غلام دست بستہ کھڑے رہتے ہیں انکی صف کے پیچھے میں آپ کو بٹھا دوں گا اور ان غلاموں کو تاکید کر دوں گا۔ کہ ہوشیاری کے ساتھ آپ کو اپنی آڑ میں رکھیں وہاں سے بیٹھ کے آپ شہریار پرویز کی ہر حالت کو دیکھتی رہیں گی باکمال مطربوں کا گانا سنیں گی اور آخر تک شہنشاہ کے عیش میں رہینگی +

شیریں "ہاں ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔ مگر اتنا اور کام کرو کہ ان مطربوں میں سے ایک کو میرے پاس لاکے بٹھلا دو اور سمجھا دو کہ میں جو اس کے پیچھے ہوں گی جو گیت اور جس مضمون کا راگ کہوں گائے"+

شاپور نے اس حکم کے بجالانے کا وعدہ فرمایا اور صحبت عیش میں صف غلمان کے پیچھے ایک پر تکلف قالین پر اسے بٹھا دیا اور پیر و غلاموں سے تاکید کر دی کہ خبردار ان بیوی کو اپنی آڑ میں رکھنا۔ حضرت شہریار کی نظر ان پر نہ پڑنے پائے اس کے بعد اس نے نکیسا کو بلا کے شیریں کے سامنے پیش کیا اور اس سے کہا میں جشن طرب کے شروع ہوتے ہی۔ ایسا انتظام کر دونگا۔ کہ تم ان خاتون کے پاس اور صف غلمان سے ملے ہوئے بیٹھو اور تمہارا کام یہ ہوگا کہ یہ خانوں جو گیت اور راگ بتائیں اسی کو گاؤ۔ اس نے وعدہ کیا اور مغنیوں کے گروہ میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں پرویز خواب گاہ خلوت سے نکل کے آیا مرصع تخت پر جلوہ فرما ہوا۔ اور شاپور کو قریب بلا کے ایک کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور جیسے ہی وہ بیٹھا کہا آہ میں بڑا بد قسمت ہوں۔ ہائے ؎

یہ کس نے عین مزے میں جگا دیا مجھ کو * ابھی تھا خواب میں ان کو گلے لگائے ہوئے

لے شاپور میں ابھی خواب میں دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک نہایت پر فضا اور فرحت بخش باغ میں ہوں اور پہلو میں میری پیاری شیریں بیٹھی ہے۔ ہم دونوں ہمکنار و ہم آغوش ہیں اور دنیا و نافیہا کو بھولے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے سلوک پر نادم ہے۔ میں نے اپنے بگڑنے آنے پر پچھتاتا ہوں باہم دونوں عذر خواہیاں کرتے اور ایک دوسرے کی محبت سے لطف اٹھا رہے ہیں یکایک آنکھ کھل گئی اور افسوس! خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

شاپور۔ (ادب سے ہاتھ جوڑ کر) حضور شہنشاہ نے جو کچھ دیکھا سچ ہے واقعی ملکہ شیریں اپنی کج ادائی پر پشیمان ہیں اور حضور کو بھی فراق کی تکلیف ہے۔ مگر یہ تھوڑی ہی دیر کے لئے ہے

پرویز! بھئی سچ تو یہ ہے کہ وہ جیتی اور میں ہارا مجھے یقین آگیا۔ کہ نہ مجھے اس کی سی محبت والی نازنین بیوی ملیگی اور نہ اُسے مجھ سے زیادہ جاں نثار و عاشق زار شوہر ملے گا۔ اب تو میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس کی ہر شرط مان لوں اور جسطرح بنے مقتدائے دین اور اعیان سلطنت کو اس کے ملکہ عجم بنانے پر راضی کروں مگر اس وقت غم غلط کرنے کے لئے گانا سننے کو جی چاہتا ہے! یہ کہتے ہی اس نے پری وش، لونڈیوں اور خواصوں کو حکم دیا۔ کہ مئے گلگوں لاؤ۔ اور مغنیوں کی طرف اشارہ کیا کہ گاؤ بجاؤ +

شاپور! مگر حضور اسوقت میرا جی چاہتا ہے کہ دو مطرب آمنے سامنے بیٹھ جائیں ایک حضور کا نقیب بنے اور دوسرا شیریں مہ جبین کا نقیب اور

اسکے مناسب دونوں دونوں کی حالت کا اندازہ کر کے اپنے نغمہ دلکش ہیں وہ ان کے جذبات کا اظہار کریں +

اس خیال کو خسرو پرویز نے بہت پسند کیا اور کہا واقعی اس طریقہ سے اس گھڑی دل بیتاب کو چین آئیگا - اجازت ہوتے ہی شاپور نے نکیسا کو شیریں کے پاس پرویز کے مقابل اور بار بد کو تخت کے برابر بٹھادیا اور قبل اس کے کہ بار بد ساز چھیڑے نکیسا نے عجیب نغمہ و دلکش میں شیریں کی جانب سے اظہار عجز و ندامت کیا اور بیتابی کی دھن میں ظاہر کیا کہ میں آتش فراق میں جلی جاتی ہوں - جلدی خبر نہ لی تو خاک ہو جاؤں گی -

پرویز سن کے خوش ہوا - اور باربد کو اشارہ کیا کہ جواب دو اس نے اپنی دلکش دھن میں بادشاہ کیجانب سے جواب دیا کہ تیرے فراق میں میری زندگی بدمزہ کر دی ہے لے ناز آفرین محبوبہ آ - اور میرے دل کو تسلی دے نکیسا نے پھر ساز چھیڑا اور زبان نغمہ سے کہا میں فلک اجلال پر ماہتاب تھی مگر عشق نے تیرے قدموں کی خاک بنا دیا گلشن کا سب سے زیادہ شگفتہ پھول تھی - مگر تیرے فراق نے گھلا کے کانٹا بنا دیا اے دلدار بے پرواہ میری مصیبت پر ترس کھا اور آ +

اس کے جواب میں باربد نے اپنا نغمہ چھیڑا اور یہ راگ الاپا کہ ساری دنیا چھان ڈالی مگر تجھ سے اچھی معشوقہ پریجمال کہیں نہ نظر آئی - تجھ میں حسن و جمال کے ساتھ ساری خوبیاں ہیں مگر افسوس ان سب کمالات حسن کے ساتھ تو کج ادا اور بیوفا ہے اس کی بھی تجھے پرواہ نہیں کہ شہنشاہ جہاں

اور کج کلاہ ایران تیرے حسن کے آگے سر جھکاتا اور تیرے قدموں پہ سر رکھتا ہے۔ یہ سنتے ہی نکیسا نے سرود کو چھیڑ کر یہ نغمہ سنایا۔ کہ آہ تیرے اسی غرور ہی نے میری زندگی برباد کی۔ تو اگر شہنشاہ عجم ہے تو میں بھی کہیں کی ملکہ با سطوت ہوں۔ اس کے علاوہ تو اگر میدان جنگ کا شیر ہے تو میں بھی محفل عیش کی شمع ہوں تیری شجاعت اگر تلوار سے جانیں لیتی ہے تو میرے حسن پہ عشاق خود ہی آ آ کے صدقے ہوتے اور سر پٹک پٹک کے جان دے دیتے ہیں باوجود اس کے میں تیری لونڈی ہوں۔

غرض بہت دیر تک اس صحبت نشاط کا یہی رنگ رہا کہ ایک طرف باربد پرویز کے خیالات کا اظہار کرتا اور دوسری طرف نکیسا شیریں کے جذبات پر اثر نغمے میں گا کے سناتا یہ صحبت نشاط ساعت بہ ساعت جوش پر آتی جاتی تھی سامعین وقف حیرت تھے اور دونوں بیتاب دلوں کی بیقراریاں بڑھتی جاتی تھیں۔ پرویز و شیریں معلوم پر وجد کا عالم طاری تھا۔ اب یہ حالت تھی کہ بادشاہ خود بڑھ کے باربد کو بتاتا کہ اب کے یہ جواب دو اور ادھر شیریں چپکے سے نکیسا کو بتا دیتی کہ اب تم یہ مضمون گاؤ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب کے جو نکیسا نے شیریں کے جذبات دلی ظاہر کئے تو پرویز جوش میں آ کے نہایت بیتابی سے اٹھ کھڑا ہوا اور باربد سے کہا "ہائے نکیسا نے دل میں آگ لگا دی اسے جلدی بجھاؤ" اس اشارے پر باربد نے جو جوش و خروش سے شاہی جذبات کو گا کے سنایا تو شیریں اس درجہ بیتاب ہوئی کہ بے اختیار چیخ اٹھی اور ایک آہ فلک دوز اس کے منہ سے نکل گئی یہ آواز سنتے ہی خسرو پرویز مجنونانہ ولولے کے ساتھ تخت سے اتر پڑا۔ شاہپور سے کہا

ہائے یہ تو میری مہ پارہ شیریں کی آواز تھی وہ یہاں کیسے آ گئی شاہ پور اس کا جواب نہ دینے پایا تھا کہ ناگہاں حسب مضمون ع
کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را + شیریں از خود رفتگی و مدہوشی کے عالم میں غلمانوں کی صف چاک کرکے نکلی اور دوڑ کے پرویز کے قدموں پر گر پڑی پرویز اسکی صورت دیکھتے ہی دنگ رہ گیا پھر اُسے اُٹھا کے گلے سے لگا لیا اور کہا یہ میرے عشق کی کشش ہے " شیریں نے عاجزی سے سر جھکا کے کہا جی ہاں جسنے حسن کے غرور و ناز کو خاک میں ملا دیا " پرویز نے کہا اسے محبوبہ مہ جبین تیرے غرور حسن کو دنیا کی کوئی قوت نہیں توڑ سکتی۔ ہاں یہ البتہ ہوا کہ شہنشاہی کبر و غرور تیرے حسن کے قدموں سے پامال ہوا۔ اور تو نے آخر میں پوری فتح پائی " یہ کہتے ہی اس نے تاج اپنے سر سے اتار کے شیریں کے قدموں پر رکھ دیا۔ شیریں نے اس تاج کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کے پرویز کو پہنا دیا۔ اور کہا " یہ تاج اسی سر کے لئے ہے اور میں تو ایک ادنی لونڈی ہوں "

محبوبۂ ناز آفریں کو موافق پاتے ہی پرویز نے پھر بے اعتدالی کا قصد کیا تو شیریں پھر پیچھے ہٹی۔ خسرو اس پر متعجب ہوا تو شاپور نے کہا " جہاں پناہ نے ابھی ابھی جو اقرار کیا ہے اسے پورا کریں " پرویز نے کہا اچھا اس کے بعد آٹھ روز تک اسی صحرائی خیمہ گاہ میں جشن رہا جس میں دونوں عاشق و معشوق شریک اور الگ الگ رہے پھر شیریں قصر بے ستون میں گئی۔ پرویز کی سواری مدائن میں پہونچی وہاں پہونچتے ہی اس نے پہلے تمام ارکان دولت اور مقتدایان ملت کو راضی کیا اور اس کے بعد بڑی دھوم دھام سے شادی کا سامان کرکے شیریں

کو حسب آئین ساسانی بیاہ لایا اور ملکہ گرجستان وارمن ساری قلمرو عجم کی ملکہ جہاں بن گئی اور خسرو کی عیش پرستی کے باعث ساری دنیا کے سیاسی معاملات پر شیریں متصرف رہتی۔

خسرو پرویز نے شاپور کو اس کے حسن خدمت کے صلے میں مہین بانو کی سلطنت ارمن و گرجستان کا فرمانروا بنایا۔ اور خود محبوبہ مہ جبین شیریں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہوا اب شب و روز محفل عیش و طرب گرم رہتی شراب نوشی کا جام ہر وقت دور میں رہتا۔ اور ہر گھڑی نغمۂ طرب کا غلغلہ بلند رہتا۔ نظام سلطنت شیریں کے ہاتھ میں تھا۔ جسے شراب عیش نے پرویز کی طرح سلطنت سے غافل از خود رفتہ نہیں کر دیا تھا۔

آخر اسی عیش و غفلت نے پرویز کے بال سفید کر دیئے اور بڑھاپے کا انجام بین دور شروع ہوا۔ اسوقت شیریں نے کہا عیش و عشرت کا زمانہ ختم ہوا۔ اور وہ وقت آیا کہ شہریار عجم شاہان سلف کے حالات سے عبرت حاصل کرے عدالت گستری و رعایا پروری میں مصروف ہو اور اس دنیائے فانی کو ترک کر کے عقبےٰ کی فکر میں لگے" پرویز نے انجام میں ملکہ کی نصیحت پر عمل کر کے حکیم زمانہ بزرگ امید کو دربار میں بلوایا اس سے بہت سی نصیحتیں سنیں۔ نجات کے متعلق اپنے شکوک و شبہات پیش کر کے تشفی بخش جواب پائے مابعد الموت کے اسرار پوچھے اور ملحدانہ اوہام کو دل سے دور کیا۔

اسی زمانہ میں حضرت سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء کے دعوائے رسالت کا غلغلہ بلند ہوا تھا اور آپ کی تبلیغ کے نعرے کی صدا ارض عجم میں بھی گونجنے

لگی تھی۔ پرویز نے بزرگ امید سے پوچھا اس عربی نژاد ہادی و مدعی نبوت کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے اس نے کہا، عالم ملکوت کے جس مقام تک وہ پہونچ سکے ہیں وہاں تک میری رسائی نہیں ہو سکتی لہذا میں ان بزرگ کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ حضور ان کو اور ان کے دین کو نفرت و عداوت کی نظر سے نہ دیکھیں اور نہ اس دینی تحریک کوئی معمولی چیز تصور فرمائیں۔ لیکن افسوس اس نصیحت نے خسرو کے دل پر مطلق اثر نہ کیا۔ اور جب روز بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ تبلیغ اس کے پاس پہونچا تو نہایت برافروختہ ہوا نامۂ رسالت کو چاک کر ڈالا۔ اور اپنے والی یمن کو لکھا کہ اس پیغمبر کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو یہ خبر حضرت رسالت کو پہونچی۔ تو فرمایا اس خط کی طرح ان کی سلطنت و سطوت کے ٹکڑے اڑ گئے جس پیشین گوئی کی تکمیل پرویز اور اس کی سلطنت کے آئندہ حالات سے ظاہر ہو سکتی ہے +

پرویز کے بعد شیریں نے اپنے مذاق کی چند باتیں بزرگ امید سے پوچھیں چنانچہ اس حکیم دانا کی زبان سے کلیلہ دمنہ کے چالیس قصوں کے ساتھ ان کے نتائج و حکم سنے۔

بہرحال ان نصیحتوں اور اس روحانی حکیم کی باتوں کا دونوں کے دلوں پر بڑا اثر پڑا۔ اور اس کا آخری انجام یہ ہوا کہ خسرو و شیریں دونوں دنیا کی باتوں اور سلطنت کے کاموں سے بے پروا ہو کے مذہبی اعمال اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے +

شیریں سے خسرو کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ہاں مریم کے بطن سے شیرویہ نام ایک بیٹا تھا جو نہایت ہی کند ذہن۔ بدنفس۔ مردم آزار اور نالائق تھا شریف لوگ اس کی طبیعت سے بھاگتے تھے اور ملک کے ہر گروہ کو اس سے سخت نفرت تھی۔ جو کوئی اس کے سامنے جاتا اسے شرمناک گالیاں دیتا اور سخت بدزبانی کرتا۔ پرویز نے جب شیریں سے شادی کی ہے اس وقت وہ دس سال کا تھا۔ مگر اسی زمانہ نابالغی میں اس کے جذبات بدکاری اس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ کہ باپ کی شادی کی خبر سن کے دوستوں سے کہا کاش شیریں کو میں اپنی جورو بنا سکتا +

اب اسکی نالائقیوں کی زیادہ شہرت ہوئی تو ایکدن پرویز نے بزرگ امید سے کہا "کہ اس لڑکے سے میں سخت عاجز ہوں اور اس کے طالع نامبارک سے پناہ مانگتا ہوں اور تو اور اسکی نالائقی و ناخلفی اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ اپنی ماں شیریں پر عاشق ہے اور اس کے واسطے بیتابیاں ظاہر کرتا ہے نالائق کو نہ مجھ سے محبت ہے نہ ماں کا ادب کرتا ہے اور نہ اپنی بہنوں سے انس ہے کمبخت سب سے خار کھاتا ہے۔ بزرگ امید نے جواب دیا۔ وہ ہزار برا ہو۔ پھر آپ کا فرزند ہے لہٰذا آپ اس کے دشمن نہ بن جائیں آپ اچھے ہیں تو خدا سے امید ہے کہ آپ کا فرزند بھی برا نہ ہوگا۔ ابھی جوانی اور عنفوان شباب کا عالم ہے بڑھاپے ہی خود ہی سدھر جائیگا" +

اس واقعے کے بعد خسرو پرویز میں عبادت کا کچھ ایسا ذوق بڑھا۔ کہ دنیا سے کردی اور شب و روز آتش کدے ہی میں رہنے لگا اس کے عزلت گزینی

ہوتے ہی شیرویہ کی بن پڑی عناں حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور ساری فوج اور قلمرو پر متصرف ہوگیا۔ یہ موقع ہاتھ آتے ہی اس کے قدیم جذبات تازہ ہوگئے اور کوشش کرنے لگا۔ کہ شیریں کے وصال سے شاد کام ہو چنانچہ پرویز آتش کدے میں مصروف عبادت تھا کہ ناگہاں شیرویہ کے لوگوں نے گھسکر اسے گرفتار کرلیا اور سونے کی زنجیروں میں جکڑکے قید خانے میں بٹھا دیا اب ساری سلطنت اور کل امرائے دربار نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا کسی کو نہ اسکی فکر تھی۔ اور نہ کوئی اس کے پاس جاتا۔ مگر شیریں مہ جبین جس طرح محل میں اسکی انیس صحبت تھی قید خانہ میں بھی ہر وقت اس کے پاس رہتی اسے تسلی دیتی اور اس کا غم غلط کرتی اور اسکو کوشش میں ساری ساری راتیں جاگ کے کاٹتی +

اب شیرویہ کی شقاوت اس سے بھی بڑھی جس کا انجام یہ ہوا کہ ایک اندھیری رات کو شیریں دخسرو پلنگ پر لیٹے باتیں کر رہے تھے محبوبہ مہ جبیں مزے مزے کی باتوں میں اس کا دل بہلا رہی تھی کہ آدھی رات سے زیادہ گزر گئی اور دونوں کی آنکھ لگ گئی۔ اسوقت ایک دیو سیرت شخص ننگی تلوار ہاتھ میں لئے قید خانہ کی کھڑکی سے اترکے اندر آیا۔ اور پرویز کے سرہانے پہونچا اور ایک حربے میں اس کا سینہ اور دل و جگر چاک کر ڈالے تلوار کے باہر نکلتے ہی سینے سے خون کا فوارہ جاری ہوا اور وہ شخص اسی کھڑکی کی راہ سے بھاگ گیا۔ زخمی ہو کے پرویز کی آنکھ کھلی تو اپنے سینہ کو چاک و ہال بلب پایا اور تشنگی کی سخت شدت تھی چاہا کہ شیریں کو چلا کے پانی مانگے۔ مگر دل

میں کہا اس نازنین کو میری دلدہی میں یوں ہی ساری ساری رات جاگتے گذر جاتی ہے ابھی ابھی اس کی آنکھ لگی ہے اگر اسی وقت جاگ پڑی تو اور نیند اڑ جائیگی اور میرے غم میں روتے روتے صبح کر دے گی مناسب یہ ہے کہ اسے نہ جگاؤں۔ یہ سوتی رہے اور مر جاؤں"۔ غرض پرویز نے دل کے اسی مشورے پر عمل کیا اور چند ہی منٹ میں مر گیا۔

مگر سینے کے چاک ہونے سے خون کا جو فوارہ جاری ہوا تھا۔ اس نے قلب کی حرکت کیساتھ اچھل اچھل کے شیریں کے جسم اور چہرے پر ایسی خون پاشی کی کہ شوہر کے خون کی گرمی سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ جاگی تو شوہر کے محبوب جسم کو بیجان پایا اور کمال بیتابی و حسرتناکی سے رونے پیٹنے اور خاک اڑانے لگی کوئی انیس و ہمدم پاس نہ تھا رات بھر اکیلی نوحہ و ماتم کرتی رہی۔ صبح ہوئی تو ذرا حواس ٹھکانے ہوئے اور اس بیجان لاش کی تربیت و آرائش میں مصروف ہوئی جو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی جس خون آلود جسم کو رات بھر آنسوؤں سے دھوتی رہی تھی اب گلاب سے خوب مل مل کے دھویا اور نہلایا پھر مشک و کافور سے معطر کیا اور اس کے بعد تاجداری و سریر آرائی کے زمانے سے زیادہ بنا چنا کے آراستہ و پیراستہ کیا شوہر کی لاش کی اصلاح کے بعد خود آرائی میں مصروف ہوئی کنگھی چوٹی کر کے اپنا خوب بناؤ سنگار کیا۔ اور بن سنور کے لاش کے پاس خاموش بیٹھ گئی۔

ان باتوں کی خبر شیرویہ کو ہوئی تو دل میں سمجھا کہ شیریں نے مجھ سے

ملنے کے لئے یہ بناؤ سنگھار کیا ہے کسی رازدار خادم کے ذریعہ سے اسکے پاس کہلا بھیجا "تم گھبراؤ نہیں ایک ہفتہ بعد تمہیں اپنی ملکہ بناؤں گا اور خسرو پرویز کے زمانے سے زیادہ شان وشوکت سے تمہاری اب بسر ہوگی جب کہ تم میری ملکہ ہوگی۔ سارا خزانہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا۔ اور تمہیں ملک کی مالک ہوگئی۔

خادم نے یہ پیام شیریں کو پہنچایا تو اسے ایک طیش سا آگیا قریب تھا کہ شوہر کے نا خلف فرزند کو وہی جواب دے جو دینا چاہیئے تھا۔ مگر کچھ سوچ کے خاموش ہورہی۔ بلکہ نہایت محبت کے لہجے میں کہا "ان سے جاکے کہنا مجھے تو خود ہی تم سے ملنے کی تمنا ہے لیکن اگر تم میرے وصل سے شاد کام ہونا چاہتے ہو تو میری دو شرطیں پوری کردو پہلی شرط یہ ہے کہ جس قصر میں شاہ پرویز رہتے تھے اسے ڈھادو اور اس میں جتنا ساز وسامان اور جواہر ہے سب خدا کی راہ میں خیرات کردیا جائے اور دوسری یہ کہ جس شخص نے خاص اپنے ہاتھ سے اس کی جان لی اور نیز وہ لوگ جو ان کے قتل کی سازش میں شریک تھے ان کو میرے حوالے کردو تاکہ میں انکو سزا دوں"+

شیرویہ شیریں کی ہوس میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا۔ کہ فوراً ان شرطوں کو پورا کردیا اور پرویز کی تجہیز وتکفین سے پہلے ہی وہ قصر شاہی جس میں خسرو اور شیریں نے عیش وعشرت کے بہت سے برس کاٹے تھے کھود کے زمین کے برابر کردیا تاکہ پھر اس میں کسی کو عیش کرنا نصیب ہو اسکا ساز وسامان اور خزانہ غربا ومحتاجوں میں تقسیم کردیا تاکہ اس کا ثواب خسرو کی روح کو پہونچے اور جن قاتلین نے بیگناہ بادشاہ کو قتل کیا تھا وہ بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے +

اس کے بعد ایک سونے کا مرصع وجواہر نگار تابوت تیار کیا گیا اس میں پرویز کی لاش رکھی

گئی اور اوپر سے نہایت ہی تکلف اور شان و شوکت سے اس کی آراستگی کی گئی جب جنازہ تیار ہو گیا تو صوبجات عجم کے والی و امیر اور ساسانی خاندان شہریاری کے شہزادے اسے کندھوں پر اٹھا کے شاہی دخمے کی طرف لے چلے۔ تمام امرائے سلطنت معززین مملکت شہزادے اور مقتدایان ملت ساتھ تھے۔ شاپور اور باربد دکھیا بھی اس جلوس میں تھے۔ جو روتے اور ماتم کرتے جاتے تھے۔ تابوت کے پیچھے پیچھے ہزارہا حسین مہ جبین حوروں کا غول تھا۔ جو سر برہنہ اور ماتمی لباس میں تھیں مگر ان کے درمیان میں شیریں ناز آفریں بناؤ چناؤ کئے اور دلھن بنی ہوئی تھی آنکھوں میں کاجل تھا ہاتھ پاؤں میں مہندی رچی ہوئی تھی طلاکاری پوشاک زیب تن تھی اور اس پر مرصع زیور اپنی آب و تاب دکھا رہا تھا لیکن باوجود اس بننے سنورنے اور پر تکلف لباس پہنے ہونے کے وہ تابوت کے ساتھ ساتھ ماتم کرتی جاتی تھی اسکی اس وضع سے دیکھنے والوں کے دل میں خیال گزرتا کہ معلوم ہوتا ہے شیریں کو خسرو پرویز کے مرنے کی خوشی ہوئی۔ اور شیرویہ دل میں پھولا نہیں سماتا تھا کہ یہ سب بناؤ چناؤ میرے لئے ہے۔ اس شان و شوکت اور اس کروفر سے تابوت دخمے کے احاطہ میں پہونچا یہاں دارالسلطنت عجم کی ساری خلقت دخمے کے گرد ٹھٹ لگائے کھڑی تھی کہ موبد یعنی مقتدائے قوم مجوس کے آدمی تابوت کو دخمے کے اندر لے گئے۔ جہاں اور کسی کا گذر نہیں ہو سکتا اہل دخمہ جب لاش کو اندر رکھ کے واپس آئے تو شیریں جو دروازے کے بالکل پاس موبد کی آڑ میں کھڑی تھی لوگوں کے باہر نکلتے ہی اس طرح چپکے سے اندر چلی گئی کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور دوڑ کے کواڑ بھیڑ کے اندر سے زنجیر چڑھا لی۔

یوں دخمے کے اندر مطمئن ہو کے شیریں نے ایک زہر کا بجھا ہوا خنجر آبدار نکالا جسے بڑی احتیاط سے کپڑوں میں چھپا کے لے آئی تھی۔ اور پرویز کی لاش کے پاس پہونچی اسے کھول کے

خوب غور سے دیکھا۔ کہ سینے پر کس جگہ کیسا کتنا بڑا اور کس قدر گہرا زخم ہے پھر اپنے سینے کو اس خنجر سے اسی جگہ اسی قدر اور اتنا ہی گہرا چاک کر کے اس طرح اس کی لاش پر گری کہ اس کے سینے کا سارا خوں پرویز کے سینے میں اتر گیا اس کے بعد اس کے منہ سے منہ اور لب سے لب ملا کے پیار کیا خوب بھینچ بھینچ کے لپٹی لپٹایا۔ اور اسی حالت میں اپنے محبوب کی لاش سے لپٹی ہوئی مر گئی +

U 728

OSMANIA UNIVERSITY HYDERABAD

Post Graduate Library
College of Arts & Commerce, O. U.